امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد 9 جولائی 2020ء بمطابق ذی قعدہ 1441ھ ق شمارہ 5

طالبان کی اخلاقی برتری کا اعتراف

- مذہب کے بغیر بھی کوئی مہذب بن سکتا ہے؟
- عرب امریکا کو للکار سکتے ہیں مگر!

ایک رات غازی عبدالصبور کے ساتھ

داعش اور وزیر اکبر خان مسجد پر حملہ

فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُوْلُ اَيُّمَا وَالٍ وَلِىَ مِنْ اَمْرِالْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَلَمْ يَنْصَحْ لَهُمْ وَلَمْ يَجْهَدْ لَهُمْ كَنُصْحِهِ وَجُهْدِهِ لِنَفْسَه كَبَّهُ اللّٰهُ عَلى وَجْهِهِ فِى النَّار (المعجم الصغير للطبرانى-ص ٩٤)

"معقل بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا" جو کوئی بھی مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنا، پھر اس نے ان کے لئے ایسی خیر خواہی اور کوشش نہ کی جیسی وہ اپنے ذات کے لئے کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا"۔

امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد ۹/جولائی ۲۰۲۰ / ذی قعدہ ۱۴۴۱ / شمارہ ۵

مدیر اعلیٰ: ولید افغان

نائب مدیر: شمس ابدالی

مجلس مشاورت

ملا اسد افغان — ہارون بلخی
اکرم تاشفین — محمد فرہاد جانباز
سیف العادل احرار

ڈیزائننگ: مولوی محمد فاروق

قیمت فی شمارہ 50 روپے
سالانہ 500 روپے

سالانہ زرتعاون

امریکا، آسٹریلیا، افریقا، یورپی ممالک: 40ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات: 30ڈالر
بنگلہ دیش: 28ڈالر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

’ماہنامہ شریعت‘ امارتِ اسلامیہ افغانستان کا اردو زبان میں واحد اور باضابطہ دینی، ثقافتی اور سیاسی مجلہ ہے۔ یہ امارت اسلامیہ کے رسمی ’میڈیا و ثقافتی کمیشن‘ کی جانب سے شائع ہوتا ہے۔ ماہنامہ شریعت افغانستان میں جاری اسلام و کفر کی کشمکش، سیاسی و جہادی واقعات و حالات اور ستم رسیدہ مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے انسانیت سوز مظالم کا سچا اور چشم دید عکاس ہے۔

عکس دروں

بین الافغانی مذاکرات سے فرار کابل ادارے کو کیا فائدہ دے گا؟ 2
ملا خیر اللہ خیر خواہ کا الجزیرہ ٹی وی کو جامع اور تفصیلی انٹرویو 3
شہید عبدالواحد "عکرمہ" تقبلہ اللہ 7
استعمار اور تہذیب کے چاک ہوتے پردے 9
فکری جنگ کے اصول، اہمیت اور ضرورت 11
دوحہ اور حدیبیہ کے دو معاہدے 15
قابض افواج کا انخلا اور اشرف غنی کی گھبراہٹ 21
طالبان کی اخلاقی برتری کا اعتراف 22
لداخ کا واقعہ اور بڑی جنگ کے خدشات 24
افغانستان میں امریکی شکست کی ایک اور تصویر 26
اسلام کے سپاہیو! تم کو o یں آزادی مبارک ہو! 27
ایک رات غازی عبدالصبور کے ساتھ 28
ہفتہ وار بریفنگ 30
مذہب کے بغیر بھی کوئی مہذب بن سکتا ہے؟ 33
داعش اور وزیر اکبر خان مسجد پر حملہ 36
افغان سپاہی 37
قیدیوں کی رہائی پر اصرار کیوں؟ 39
جنگی جرائم)جون) 40
افغانستان جون 2020 میں 42

Twitter: www.twitter.com/shariatmagazine1
Facebook: www.facebook.com/shariatmagazine
Web: www.alemarahurdu.com
E-mail: shariatmagazine@yahoo.com
WhatsApp: 0093708638285

ادار یہ۔

بین الافغانی مذاکرات سے فرار کابل ادارے کو کیا فائدہ دے گا؟

دوحہ میں امارت اسلامیہ اور امریکہ کے درمیان ہونے والے تاریخی معاہدے کے 135 دن مکمل ہوگئے۔

اس دوران چار ہزار سے زائد قیدی مجاہدین کی رہائی ہوگئی اور امریکہ نے بھی اپنے پانچ اڈے خالی کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ امریکی جب افغانستان آئے اور یہاں یہ اڈے بنا رہے تھے تب ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایک دن ان اڈوں کو خالی کر کے جائیں گے، دنیا کے اکثر مسلمانوں کو بھی افغانستان سے امریکہ کا نکل جانا اور مجاہدین قیدیوں کو رہا کرنا بڑا مشکل لگ رہا تھا لیکن اللہ تعالی کے فضل وکرم، افغانیوں کی مسلسل قربانیوں اور سیاسی میدان میں امارت اسلامیہ کی سمجھدار اور دوراندیش قیادت کی کوششوں، معقول موقف اور بروقت فیصلوں کی بدولت اب حالت یہ ہے کہ نہ صرف بیرونی قابضین سرزمین افغانستان سے بوریا بستر سمیٹ کر جارہے ہیں بلکہ چار ہزار سے زائد مجاہدین قیدی بھی باعزت طریقے رہا ہو کر آرہے ہیں۔

یقینا یہ بڑی خوشی کا مقام ہے اور ان اسلام دشمن لوگوں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے جو امریکی حملے کے دنوں میں کہا کرتے تھے کہ طالبان پاگل ہیں جو امریکہ کے مقابلے میں نکلے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ امریکہ کو شکست دیں گے۔ یہ ان لوگوں کو بھی دندان شکن جواب ہے جو دوحہ معاہدے کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ طالبان کو بہلایا گیا ہے، وہ اس معاہدے سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔۔۔۔۔۔ وہ لوگ اب آکر دیکھ لیں کہ کیا امارت اسلامیہ نے کچھ حاصل کر لیا ہے یا نہیں؟

135 دن پر مشتمل معاہدے کا پہلا دور پورا ہونے سے متعلق زلمے خلیل زاد نے کہا ہے کہ معاہدے پر دستخط ہونے کے 135 دن پورے ہو جانا طالبان اور امریکہ دونوں کے لئے اہمیت کا حامل ہے، امریکہ نے پوری کوشش کی کہ اس دوران اپنے وعدوں کو پورا کرے۔ فوجیوں کی تعداد میں کمی اور پانچ اڈے خالی کرنا اہم باتیں تھیں، ساتھ ہی خلیل زاد نے صوبہ سمنگان کے انٹلی جنس سینٹر پر امارت اسلامیہ کے مجاہدین کے حملے کی بھی مذمت کی۔

فوجیوں کی تعداد میں کمی اور پانچ اڈے خالی کرنا معاہدے کا تقاضہ ہے اور امریکہ نے اس کی پابندی کی ہے، تو پوری افغان قوم امریکہ کے اس اقدام کو اچھی نگاہ سے دیکھتی ہے لیکن اگر امریکہ صرف اس ایک کام معاہدے کی پاسداری سمجھتا ہے تو یہ درست نہیں۔

غیر جنگی مقامات پر بمباری نہ کرنا معاہدے کا اہم حصہ تھا لیکن گزشتہ 135 دنوں میں امریکہ اس پر قائم نہیں رہا، امریکہ نے خود بھی کئی غیر جنگی علاقوں پر بمباریاں کی ہیں اور کابل ادارے کی جانب سے روا رکھی جانے والی وحشت کی بھی حمایت کی ہے۔ اسی پہلے مرحلے کے آخری دس دنوں میں لوگر، غزنی، بادغیس، میدان وردگ، ارزگان، زابل، ہلمند اور قندہار میں امریکہ نے ڈرون حملے اور بمباریاں کی ہیں جو معاہدے کی صریح خلاف ورزی ہے۔

باوجود اس کے کہ سمنگان اور دیگر علاقوں میں مجاہدین کے حملے سنگین کے واقعہ کی طرح کابل ادارے کی جانب سے کی جانے والی وحشت سے بھرپور حملوں کا رد عمل ہے۔

دس دن کے اندر اندر پانچ ہزار طالبان قیدیوں کی رہائی اور اس کے فوراً بعد بین الافغانی مذاکرات کا انعقاد معاہدے کی پہلی شرط تھی۔ معاہدہ پر مکمل عمل درآمد کی امریکی دعویٰ تب درست ہوتا کہ اب تک پانچ ہزار سے زیادہ قیدی رہا ہوئے ہوتے، بین الافغان مذاکرات کی کئی نشستیں منعقد ہو چکی ہوتیں۔ لیکن پوری دنیا دیکھ رہی ہے کہ کابل ادارے کی جانب سے دوحہ معاہدے کی اس اہم شرط کو مختلف حیلوں بہانوں سے موخر کیا جارہا ہے لیکن امریکہ اس بارے میں خاموش ہے جو کہ امریکہ کی بدنیتی پر دلالت کرتا ہے ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امریکہ کا قائم کردہ اور اس کے ٹکڑوں پر پلنے والا ادارہ اس کے ارادوں کے سامنے ڈٹ جائے اور امریکہ کی جانب سے سپرد کئے گئے کام میں چوں چرا سے کام لینے لگے۔

کابل ادارے کے امور خارجہ کے وزیر حنیف اتمر نے ابھی ابھی کہا ہے کہ لسٹ میں شامل چھ سو طالبان قیدیوں کو ہم اس لئے رہا نہیں کرتے کہ بیرونی ممالک کا کہنا ہے کہ انہیں رہا نہ کیا جائے کیونکہ انہوں نے ہمارے فوجیوں کو قتل کیا ہے۔ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے؟!

بیرونی افواج کی قیادت امریکہ کے ہاتھ میں ہے جب معاہدہ کی رو سے امریکہ مجاہدین کی رہائی پر رضامند ہے تو اور کون ہے جو کابل ادارے سے ان کو رہا نہ کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ یہ بیرونی قوتیں رہا ہونے والے چار ہزار سے زائد طالبان قیدیوں کو کیوں اپنے فوجیوں کے قاتل نہیں کہتے؟ انہیں کیسے معلوم ہے کہ رہا نے ہونے والے قاتل نہیں اور یہ چھ سو قاتل ہیں؟

اشرف غنی اور حنیف اتمر کی طرح ان کے ہم فکروں کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس طرح کا واضح جھوٹ بول کر مزید قوم کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا۔ یہ حربے اپنا کر یہ زیادہ دیر تک حکومت میں رہ سکتے ہیں نہ ہی بیرونی دنیا انہیں کو عزت دے گی۔

وطن عزیز میں صلح اور امن کا آنا حتمی ہے یہ الگ بات ہے کہ شائد اس میں دیر لگے لیکن یہ چند کاسہ لیس اور غلام فطرت لوگ اپنی بقا کے لئے اس کا راستہ روک نہیں سکتے۔

یہ لوگ اپنے مادی مفادات کے لئے بیرونی قبضہ کو دوام دینا چاہتے ہیں جس کے ساتھ بڑے بڑے نقصانات وابستہ ہیں۔

جب امریکہ اور اس کے اتحادی اپنی پوری قوت استعمال کر کے بھی اپنے اہداف تک رسائی حاصل نہیں کر سکے اور دوحہ معاہدے پر دستخط کے لئے راضی ہوگئے تو ان کی عدم موجودگی میں یہاں ان کے کاسہ لیس اور کٹھ پتلی کیسے یہاں عوام کے ارادوں کے برعکس اپنی غیر مشروع حکومت میں قائم رہ سکیں گے اور کیسے وطن عزیز میں امن وامان اور اسلامی نظام کے نفاذ کا راستہ روک سکیں گے؟

دوحہ معاہدہ کی تمام تر شرائط کی پاسداری افغانستان اور امریکہ دونوں کے لئے مفید ہے۔ امارت اسلامیہ معاہدہ کی تمام تر شرائط پر کاربند ہے اور امریکہ سے بھی معاہدہ کی پاسداری کا خواہاں ہے۔ اور امید رکھتی ہے کہ وہ اپنے زیردست کابل ادارے کو بھی اس تاریخی معاہدے کو کامیاب بنانے کے لئے اس کی پاسداری کرنے پر مجبور کرے اور جس قدر جلدی ممکن ہو بین الافغانی مذاکرات کے لئے راہ ہموار کرے تاکہ یہ بڑا مسئلہ خوش اسلوبی کے ساتھ حل ہو سکے۔

ملا خیر اللہ خیر خواہ کا الجزیرہ ٹی وی کو جامع اور تفصیلی انٹرویو

ترجمہ و ترتیب: سید عبدالرزاق خوشحال غزنوی

ملا خیر اللہ خیر خواہ امارتِ اسلامیہ کے بانی اراکین میں سے ہیں-بنیادی تعلق صوبہ قندہار سے ہے-امارتِ اسلامیہ کے دور حکومت میں پہلے وزیر داخلہ اور آخری دو سال میں صوبہ ہرات کے گورنر رہے- امریکی جارحیت کے وقت گرفتار ہوئے۔زندگی کی 13 بہاریں بدنام زمانہ جیل گوانتاموبے میں گذاریں- یکم جون 2014 کو ایک امریکی جنرل کے تبادلہ میں چار ساتھیوں سمیت رہا ہوئے- اس وقت قطر دفتر اور مذاکراتی کمیٹی کے رکن ہیں- بہترین صلاحیتوں کے مالک اور سلجھی گفتگو کرتے ہیں۔حال ہی میں انہوں نے الجزیرہ انگلش سے تفصیلی گفتگو کی ہے جس میں افغانستان کے مستقبل کی حکومت اور امن عمل کے بارے میں اہم گفتگو کی ہے۔

انٹرویو کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا اردو ترجمہ قارئین شریعت کے نذر کیا جارہا ہے۔ادارہ

◇◇◇

الجزیرہ: محترم خیر خواہ صاحب شکریہ کہ آپ نے الجزیرہ کو انٹرویو کا وقت دیا۔ اشرف غنی کا کہنا ہے کہ امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ طالبان کی جانب سے تشدد انہ کارروائیوں میں اضافہ ہے جو گزشتہ سال کی نسبت امسال سب سے زیادہ ہے۔ ان کے ترجمان صدیق صدیقی کہتے ہیں کہ طالبان امن میں دلچسپی نہیں رکھتے اور وہ اس راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے آپ بین الافغانی مذاکرات کے آغاز کو کس طرح دیکھ رہے ہیں؟

ملا خیر اللہ خیر خواہ: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کابل انتظامیہ جنگ اور طالبان کی کارروائیوں کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لے رہی ہے۔دوسری بات یہ کہ جنگ کی شدت کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔ وہ ان علاقوں میں نئی چوکیاں بنانے آتے ہیں جو طالبان کے کنٹرول میں ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ معاہدے میں کابل انتظامیہ کے اہلکاروں پر حملے نہ کرنے کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہمارے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ نہیں ہوا۔امریکا کے ساتھ جنگ بندی اس وقت ہوئی جب ہم مذاکرات کی ٹیبل پر ایک ساتھ بیٹھے اور آخر میں ایک نتیجے پر پہنچے۔ ہم امریکی فوجیوں کے انخلاء تک ان پر حملے نہیں کریں گے اور نہ امریکی فوجی طالبان پر حملے کریں گے۔ لیکن کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ کے بارے میں ایسا کچھ نہیں کہ ان پر حملے نہیں ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے شہروں اور کابل انتظامیہ کے بڑے فوجی مراکز پر حملے نہیں کیے ہیں۔

فرض کریں اگر جنگ کی شدت میں اضافہ ہوا بھی ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ جس وقت امریکا ہمارے ساتھ مذاکرات کے آخری مراحل میں تھا اس وقت امریکا نے سب سے زیادہ حملے کرنے شروع کیے اور جنگ کی شدت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی۔ لیکن اس کے باوجود ہم معاہدہ کرنے میں کامیاب رہے۔ یہ بات درست نہیں کہ جب جنگ ہوگی تو مذاکرات ناممکن ہیں۔امریکا نے حملوں میں تیزی لائی اپنا پورا طاقت استعمال کیا، ہم نے بھی دفاع میں اپنی تمام توانائیاں صرف کیں۔اور بعد میں معاہدہ بھی ہوگیا۔

مختصر یہ کہ کابل انتظامیہ جنگ کی شدت بتانے میں مبالغہ آرائی سے کام لے رہی ہے، ہماری طرف سے کابل انتظامیہ کے خلاف آپریشنز اور حملوں کی وجہ ان کے اقدامات ہیں اور تیسری بات یہ کہ معاہدے میں ایسی کوئی بات شامل نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ طالبان چوکیوں اور دیہاتوں میں کابل کی کٹھ پتلی فورسز پر حملے نہیں کریں گے۔

لیکن فرض کریں اگر جنگ کی شدت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے تو بھی اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مذاکرات نہیں ہوسکتے۔ مذاکرات کی تاریخ کا تعین کیا گیا ہے۔ اگر ہم مذاکرات میں جنگ بندی پر متفق ہوئے تو جنگ بندی ہوسکتی ہے جس طرح ہم نے امریکا کے ساتھ کیا۔

الجزیرہ: ایسے حالات میں جہاں آپ لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنے کے درپے ہوں تو بین الافغانی مذاکرات کس بنیاد پر ہوں گے؟

ملا خیر خواہ: اس سلسلے میں ہم نے بہت کام کیا ہے۔ عید کے موقع پر ہم نے تین دن جنگ بندی کا اعلان کیا تھا۔ عید کے بعد ہم نے موسم بہار کے سالانہ آپریشن کا اعلان نہیں کیا۔ حالانکہ ہر سال ہم موسم بہار کے آغاز کے ساتھ ہی مختلف ناموں کے ساتھ موسم بہار کے آپریشن کا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن امسال اس کا اعلان نہیں ہوا۔ لیکن اس کے باوجود کابل انتظامیہ نے ہمارے خلاف آپریشن کا اعلان کیا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ نہیں چاہتے کہ ہم بین الافغانی مذاکرات کے مرحلے میں داخل ہوں۔ اس لیے ایسے اقدامات اٹھا رہے ہیں جس کے ذریعے یا تو خود مذاکرات سے پیچھے ہٹ جائیں یا مذاکرات کی راہ میں دیگر رکاوٹیں کھڑی کریں۔ اشرف غنی اس طرح اپنے پانچ سال پورے کرنا چاہتا ہے۔

الجزیرہ: کیا آپ بین الافغانی مذاکرات کے جلد آغاز کے لیے پرامید ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کا امکان موجود ہے؟

ملا خیر اللہ خیر خواہ: جی ہاں۔ اگر اللہ نے چاہا۔ اگر وہ ہمارے 5 ہزار قیدیوں کو رہا کرتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ مذاکرات شروع ہوں گے اور ہم اس کے لیے تیاری کر چکے ہیں۔ حتیٰ کہ مذاکرات کی پہلی نشست کی جگہ پر بھی اتفاق رائے ہو گیا ہے۔ اس لیے ہمیں یقین ہے کہ مذاکرات ہوں گے۔

الجزیرہ: یہ کیسے ممکن ہے کیوں کہ آپ تو کابل حکومت کو تسلیم ہی نہیں کرتے؟

ملا خیر اللہ خیر خواہ: ہم نے امریکا کے ساتھ مذاکرات کے دوران کہا تھا کہ ہم افغانوں سے بات کریں گے۔ افغان حکومت کی بات ہم نے نہیں کی تھی۔ اب بھی عام افغان شہری کی حیثیت سے ہم ہر افغان کے ساتھ مذاکرات کے لیے تیار ہیں۔ کابل انتظامیہ کے ساتھ اب بھی مذاکرات نہیں کریں گے۔ مذاکرات ان افغانوں کے ساتھ ہوں گے جس میں پورے افغانستان کے نمائندے شامل ہوں۔

معاہدے میں یہ 5 ہزار قیدیوں کی شرط ہی اس لیے رکھی گئی ہے کیوں کہ ہمارے اور کابل انتظامیہ کے درمیان بہت فاصلے موجود ہیں۔ ہم اس بات کے لیے بھی تیار نہیں تھے کہ کابل انتظامیہ کے ساتھ ایک افغان سیاسی جماعت کے طور پر بات چیت کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اگر وہ 5 ہزار قیدی رہا کرتے ہیں تو یہ ایک اچھا اقدام ہوگا اور اعتماد کی فضاء بحال ہو گی۔ یہ شرط معاہدے میں موجود ہے۔ ہم نے بارہا کہا ہے کہ ہم کابل انتظامیہ سے اپنے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ ہر گز نہیں کرتے۔ ہم اپنے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ امریکا سے کرتے ہیں۔ ہمارا معاہدہ امریکا کے ساتھ ہے۔ امریکا کابل کو حکم دے گا اور وہ ہمارے قیدیوں کو رہا کرے گا۔

الجزیرہ: اگر امریکی فوجی افغانستان سے مکمل طور پر نکل جائیں تو کیا ہوگا؟

ملا خیر خواہ: ہم چاہتے ہیں کہ ہم کسی نتیجے پر پہنچیں۔ اس کے لیے ضروری کہ جنگ نہیں ہو گی۔ کیوں کہ امریکی افغانستان سے نکل جائیں گے اور اب مزید یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ لیکن اس کے باوجود ہم مذاکرات کے لیے تیار ہیں اور افغان جہت جس میں کابل انتظامیہ بھی شامل ہے کے ساتھ مذاکرات بہت جلد شروع ہوں گے۔ افغانستان میں طاقت کے استعمال سے کبھی مسئلے حل نہیں ہوئے۔ اسی وجہ سے قیدیوں کی رہائی کے بعد بین الافغانی مذاکرات کے آغاز کے لیے ہم تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہم افغانستان کے تمام جہات اور طبقات پر مشتمل ایک ٹیم کے ساتھ کامیاب مذاکرات کرنے میں کامیاب ہوئے تو مستقبل کی حکومت ایک کامیاب اور مسائل سے خالی حکومت ہو گی۔ طاقت کے ذریعے اقتدار کا حصول افغانستان کے مسائل حل نہیں کر سکتا۔ ہم افغان مسئلے کا حل چاہتے ہیں۔ چالیس سال سے یہ ملک میدان جنگ بنا ہوا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جنگ ختم ہو۔ ہم افغانستان میں امن چاہتے ہیں اور اس بارے میں ہم بہت سنجیدہ ہیں۔ اگر کوئی ہماری راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تب بھی ہم اپنے مشن سے پیچھے ہٹنے والے نہیں۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ مذاکرات کے بغیر مسئلے کا حل ممکن نہیں۔ ہم مجبور ہیں کہ آپس میں مذاکرات کریں اور متفقہ طور پر ایک نتیجے پر پہنچیں تو بہتر ہو گا۔ ہم نے دنیا کے کئی ممالک جن میں چین، روس، ایران، پاکستان، انڈونیشیا اور ازبکستان شامل ہیں کے دورے کیے۔ اور ان کے سامنے اپنا موقف پیش کیا کہ ہم افغانستان میں امن چاہتے ہیں جنگ ہماری ترجیح نہیں۔ جنگ ہم پر مسلط کی گئی ہے۔ ہم جو جنگ لڑ رہے ہیں وہ دفاعی ہے۔ اگر امریکی نکل جائیں تو ہم ضرور مسئلے کے حل کے لیے جس طرح پہلے کوشش کرتے رہے ہیں بعد میں بھی کرتے رہیں گے۔ اور مذکورہ ممالک بھی کوشش کر رہے ہیں کہ افغان جہات اس مسئلے کے لیے متفق ہوں۔

الجزیرہ: یہ دلچسپ بات ہے کہ آپ نے روس کی طرف اشارہ کیا۔ طالبان اور روس کے تعلقات کیسے ہیں؟

ملا خیر اللہ خیر خواہ: ہم چین، روس، ایران اور پاکستان سمیت اسلامی ممالک کے ساتھ اچھے اور خوشگوار سفارتی تعلقات کے خواہاں ہیں۔ تاکہ وہ مطمئن رہیں کہ کوئی بھی افغان سرزمین کو ہمسایہ ممالک سمیت امریکا اور دوسرے ممالک کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا۔ ہم تمام ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے ہیں۔ ہم سب کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے ہیں۔ قطر میں سیاسی دفتر کھولنے کے بعد کئی ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات اچھے ہو گئے ہیں۔

الجزیرہ: یہ خبر کہاں تک درست ہے کہ طالبان امریکی فوجیوں کے قتل کے بدلے روس سے پیسے وصول کرتے ہیں؟

ملا خیر اللہ خیر خواہ: اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ ہماری تحقیقات سے یہ پتہ چلا ہے کہ اس قسم کی خبروں کے پیچھے کابل کے انٹیلی جنس ادارے ہیں۔ انہوں نے قیدیوں پر تشدد کے ذریعے یہ بات منوائی کہ وہ کہیں کہ انہیں روس نے امریکی فوجیوں کے قتل کے بدلے پیسے دیے ہیں۔ اور پھر اس پر ایک رپورٹ بنائی اور میڈیا پر پھیلا دی۔ یہ بالکل بے بنیاد ہے اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ طالبان نے روس سے پیسے لیے یا کوئی فوجی امداد لی۔

الجزیرہ: صرف افغان انٹیلی جنس نہیں بلکہ امریکی انٹیلی جنس اداروں کے ذرائع بھی یہ دعوہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ امریکا افغانستان سے نکل رہا ہے۔ پھر اس قسم کے جھوٹ اور بے بنیاد دعووں کا کیا فائدہ؟

ملا خیر اللہ خیر خواہ: اس سوال کا جواب تو امریکی ہی دے سکتے ہیں کہ کیوں اس معاملے میں وہ جھوٹ بھول رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کابل انتظامیہ امریکی اور دیگر غیر ملکی فوجیوں کے مکمل انخلاء کے خلاف ہیں وہ نہیں چاہتے کہ امریکی افغانستان سے نکل جائیں۔ اس رپورٹ کا مقصد یہی ہے کہ وہ یہ ظاہر کریں کہ امریکا کے بعد افغانستان میں روس کا اثر و نفوذ زیادہ ہو گا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس طرح وہ غیر ملکی فوجیوں کو جانے سے روکے۔ میرا خیال ہے یہی ان کا مقصد ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی مقاصد ہو سکتے ہیں لیکن

یہ سوال پھر ان کی طرف جاتا ہے۔

الجزیرہ: پہلے بھی اس طرح ہوا ہے۔سویت یونین کے خلاف امریکی سی آئی اے نے آئی ایس آئی کے ذریعہ افغانی مجاہدین کی مدد کی۔ تو پھر آپ اب امریکا کے خلاف روس سے پیسہ کیوں نہیں لیتے؟

ملا خیراللہ خیرخواہ: سرخ ریچھ کے استعمار کے وقت مجاہدین کے ساتھ تمام ممالک تعاون کررہے تھے۔لیکن اب حقیقت یہ ہے کہ امارتِ اسلامیہ کے ساتھ روس کی جانب سے کوئی عسکری امداد نہیں ہوئی ہے۔کوئی شخص اور کوئی ادارہ سفارتی تعلقات کے علاوہ اور کچھ ثابت نہیں کرسکتا۔

الجزیرہ: آیئے !ایک نظر افغانستان پر ڈالتے ہیں، شہری آبادی اکثر کابل انتظامیہ کے کنٹرول میں ہے اور اطراف پر اکثر امارتِ اسلامیہ کا قبضہ ہے۔ آپ افغانستان کے کتنے حصہ پر کنٹرول رکھتے ہیں؟اور وہاں کی حالات کیسے ہیں؟

ملا خیراللہ خیرخواہ: تقریبا ستر فیصد علاقہ ہمارے کنٹرول میں ہے، وہاں ایک مثالی امن وجود رکھتا ہے۔ عدالتی نظام قائم ہے۔ کابل انتظامیہ کے زیرانتظام علاقوں کی بہ نسبت یہاں حالات بہت بہتر ہیں۔ یہاں تک کہ شہروں کے لوگ اپنے قضیے طالبان کی عدالتوں میں پیش کرنے آتے ہیں اور یہیں سے حل کرواتے ہیں؛اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں رشوت کا تصور نہیں، کیس میں بلاوجہ تاخیر نہیں ہوتی، فیصلہ جلد ہوجاتا ہے۔البتہ ہمارے ہاں چند چیزوں کی کمی بے شک موجود ہے۔مثلا:اکثر این جی اوز اور ٹرسٹ اور بیرونی ممالک کابل انتظامیہ کو امداد دیتے ہیں،ہمارے پاس اس وقت سرمایہ کچھ نہیں ہے۔ البتہ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ جب ہم اقتدار کو پہنچیں گے توحالات میں بہتری آئے گی اور پوری افغان ملت کو برابر کے حقوق حاصل ہوجائیں گے۔

الجزیرہ: مغربی ممالک کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر طالبان بر سرِاقتدار آگئے تو افغانستان میں موجودہ تمام ترقیاں رک جائیں گی۔ مثلاعورتوں کے حقوق،خواتین کی تعلیم،عدل وانصاف کا قیام،بیان کی آزادی یہ سب اپنے وجود کے ساتھ کالعدم ہوجائیں گے۔آپ کس طرح سے اطمینان دلائیں گے کہ ایسا نہیں ہوگا؟

خیرخواہ: امریکی جارحیت سے پہلے ہم نے اپنے دورِ اقتدار میں اپنی قوم کے لیے بہت سی خدمات پیش کی تھیں۔ مثلا تعلیم کے موضوع کو ہی لے لیجیے۔امارت کے آخری دوسالوں میں، میں صوبہ ہرات کا گورنر تھا۔ اقوام متحدہ کا ایک وفد ایک جاپانی خاتون کی سربراہی میں وہاں دورہ کرنے آیا، وہاں بچیوں اور بچوں کے سکول دیکھے۔ وہاں سکول کا ایک فعال سسٹم موجود تھا۔ لڑکیوں کے لیے علیحدہ سکول موجو تھے۔ اگر چہ وہاں جنگ کی حالت تھی لیکن اس سلسلہ میں پھر بھی بہت پیش رفت ہوئی تھی۔تعلیمی سلسلہ اور عورتوں کے حقوق رو بہ ترقی تھے۔

ہمیں عورتوں کے حقوق کا بھرپور خیال ہے۔ عورت ذات بہت وجوہ سے مظلوم ہے لیکن لوگ اس کی پروا نہیں کرتے۔ ابھی افغانستان میں عورتوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کا کیاسلوک جاری ہے؟ کتنے بہیمانہ واقعات پیش آتے ہیں؟ طالبان دور میں تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا۔اگرمیں کہوں کہ ہمارے پورے دورِحکومت میں ایک یادو واقعات پیش آئے تھے تومبالغہ نہیں ہوگا۔ہمارے دور میں کبھی عورتوں کے چہروں پر تیزاب نہیں پھینکاگیا، جنسی زیادتی کا کوئی ایک واقعہ ریکارڈ میں نہیں۔لیکن اب آپ دیکھیے عورتوں کو کتنے مشکلات کا سامنا ہے؟ مغرب میں لوگ آزادی کا ڈھنڈورا توپیٹتے ہیں لیکن عورتوں کی ان مشکلات پر توجہ نہیں دیتے۔ ہم عورتوں کی تعلیم اورآزادی چاہتے ہیں لیکن یہ سب کچھ اسلام اورتعلیماتِ اسلام کی روشنی میں چاہتے ہیں، عورتوں کی تعلیم، آزادی اور دیگر حقوق کے لیے ہم نے پہلے بھی کام کیا ہے اور اب بھی کوشش جاری ہے کہ ان کو اسلام کے دائرہ میں رہتے ہوئے وہ سب کچھ مل جائے جو ان کا بنیادی حق ہے۔ لیکن بعض عورتیں امریکااور یورپ کی طرح حقوق کا تقاضا کرتی ہیں جو کہ ناقابل قبول ہے اور اس کا تصور ہی ممکن نہیں؛ کیونکہ افغانستان کا کلچر اور تہذیب امریکہ اور یورپ سے بہت مختلف ہے۔

ہمیں اسلام اور شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے عورتوں کی تعلیم اور تمام حقوق کا پوراپورا خیال ہے۔ پہلے بھی ہمارے دور میں ان کی تعلیم موجود تھی۔ وزارتِ داخلہ میں خواتین کام کرتی تھیں۔مختلف ائیر پورٹ پر خواتین اہلکار موجود ہوتی تھیں اور فرائض سرانجام دیتی تھیں۔ لڑکیوں کے سکول موجود تھے۔ البتہ اس وقت ہم اس مرحلہ پر نہیں پہنچے ہیں کہ ہم اس سے زیادہ پیش رفت کرسکیں اور حالات کو اس سے آگے لے جائیں۔

الجزیرہ: دنیا کے پاس کیا ضمانت ہے کہ "القاعدہ اور دیگر دہشت گرد جماعتیں" جو پہلے افغانستان میں خفیہ کیمپ رکھتی تھیں اب انہیں افغانستان میں پناہ گاہ نہیں ملے گی؟

ملا خیراللہ خیرخواہ: ہم نے امن معاہدہ میں امریکا،اس کے اتحادیوں اور ہمسایہ ممالک کو یقین دہانی کرائی ہے کہ افغانستان کی سرزمین اب ان کے خلاف کوئی استعمال نہیں کرسکتا۔ ہم اس مقصد کے لیے تیار اور پرعزم ہیں۔ یہ لوگ طالبان سے پہلے روس کے خلاف جہاد میں افغانستان آئے تھے۔ ہمیں تمام کاموں کی نظم وضبط کے لیے کافی وقت نہ ملا اس لیے یہ تبدیلیاں اور حادثات پیش آگئے۔ لیکن اب چونکہ ہمارا کنٹرول مضبوط ہے الحمدللہ ہمارے زیر انتظام علاقوں میں اب بہت بہتر انتظام وانصرام موجود

ہے۔ دوسری طرف ان کو بھی اب یہاں رہنے کی ضرورت نہیں رہی اور نہ ہی ان کو یہاں آنے کی کوئی اجازت ملے گی۔ اس وقت بھی وہ سمجھتے تھے کہ انہیں اپنے ممالک میں واپس جانا چاہیے چنانچہ بڑی اکثریت چلی گئی اور جو اکادکا رہ گئے تھے وہ عرب بہار کے دوران چلے گئے۔

اب تو وہ بھی سمجھ گئے ہونگے کہ امارتِ اسلامیہ نے اپنے ملک کو کسی کے خلاف استعمال نہ کرنے کامعاہدہ کر رکھاہے اور معاہدہ کے وہ بڑے پابند ہیں اس لیے ہمیں توقع ہے کہ اب وہ اس نیت سے افغانستان نہیں آئیں گے اور اگر اس طرح کے کچھ لوگ ایسے عزائم کے ساتھ آئیں گے تو انہیں اجازت نہیں دی جائے گی۔

الجزیرہ: ذبیح اللہ مجاہد نے ایک بیان میں کہاہے کہ افغان امن کے لیے داخلی اور خارجی رکاوٹیں اور خطرات موجود ہیں، این ڈی ایس کاسابق سربراہ کہتاہے کہ پاکستان کے اب بھی طالبان کے ساتھ تعلقات ہیں،جبکہ آپ نے دو داعش جنگجو کی ایک ویڈیو نشر کی جس میں وہ افغان اور امریکی اہلکاروں پر حملے کے منصوبوں کااعتراف کرتے ہیں۔ آپ صورتحال کو کس طرح سے دیکھتے ہیں اور کس چیز کاسامناہے آپ کو؟

ملاخیراللہ خیرخواہ: جو حملے ہوئے ہیں یا قتل ہوئے ہیں مثلا: ہسپتال کو نشانہ بنایاگیا، علماء کو قتل کیاگیا، بعض ہیومن رائٹس تنظیموں کے کارکنوں کو قتل کیا گیا۔ ہماری نظر میں یہ سب کابل انتظامیہ اور اس کی انٹیلی جنس کی ریشہ دوانیوں کانتیجہ ہے اور اس میں ان کاہی ہاتھ ہے۔ ان کاموں سے مقصد یہ تھا کہ خارجی افواج کو یہ باور کرایاجائے کہ یہاں اب بھی خطرہ موجود ہے اور تمھارا نکلنا مناسب نہیں ہے۔ دوسرامقصد ان کا یہ ہے کہ کسی طرح طالبان کو عوام دشمنی کامجرم ثابت کریں۔ لیکن ان کی یہ کوششیں اس لیے بے سودہیں کہ عوام اس وقت سمجھ چکے ہیں الحمدللہ، کہ طالبان اس طرح کے جرائم میں ملوث نہیں ہوتے۔ قوم کو یقین ہے کہ طالبان مسلمان بھی ہیں، اسی ملت سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی قوم کے جگر گوشے ہیں۔ پھر وہ کس طرح اپنی ہی قوم پر تلوار اٹھائیں گے؟بعض دینی علماء نے بڑی مجالس اور بڑے اجتماعات میں ان گھناونے جرائم کو کابل انتظامیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

آپ خود سوچیے! طالبان اس طرح کے کام کرکے کیاحاصل کرسکتے ہیں؟آخر طالبان سب کے سب مسلمان ہیں، تو پھر وہ ایک ہسپتال کو کیوں نشانہ بنائیں گے جس میں عورتیں اور بچے موجود ہوں؟ اس کافائدہ کیاہوگا؟

ہم نے نہ صرف یہ کہ اس طرح کے حملوں کی تردید کی ہے بلکہ اس کی تحقیقات کاپر زور مطالبہ بھی کیا ہے تاکہ قوم کو پتہ چلے کہ اس طرح کے ناجائز اعمال کے پیچھے کس کاہاتھ ہے؟ اور اصل مجرم کون ہے؟

ہمارااندازہ یہ ہے کہ یہ سارا کیا دھرا کابل انتظامیہ اور اس کی انٹیلی جنس کاہے تاکہ بیرونی قوتوں کو بتایاجاسکے کہ تمھارا وجود کتنا ضروری ہے اور یہ کہ اگر تم یہاں سے گئے تو کتنے خطرات پیش آسکتے ہیں۔

الجزیرہ: محترم خیرخواہ صاحب!آخری سوال یہ ہے کہ طالبان حکومت کو ختم ہوئے بیس سال گزر چکے ہیں اور افغانستان میں حالت بہت بدل چکی ہے۔ افغانستان کے عوام اور نوجوان طبقہ بالخصوص اس دور کی بہ نسبت بہت مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ آپ کیساتصور کرتے ہیں اگر طالبان اقتدار کاایک بڑا حصہ بن جائیں تو ان عوام اور نوجوان طبقہ کو کتنی آزادی ہوگی؟

ملاخیراللہ خیرخواہ: میں اور میرے تمام شریکِ کار اس بات کو سنجیدگی سے لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لوگ پہلے کی بنسبت بہت بدل چکے ہیں۔ اور یہ بھی تصور کرتے ہیں کہ حالت ہر شعبہ زندگی میں زبردست تبدیلیاں آچکی ہیں۔ ہم یہ رائے کوئی بیس پچاس ہزار لوگوں کے بارے میں نہیں بلکہ افغانستان کی چالیس ملین آبادی کے بارے میں رکھتے ہیں۔ ہم سب کی مصلحت چاہتے ہیں۔ اپنے سارے فیصلے عوامی مفاد کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے امن وامان، بیان کی آزادی اور اسلام کے دائرہ میں آزادی کو روا اور بہتر سمجھتے ہیں۔ اسی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور اسی ہی کو ملت کے لیے خیر سمجھتے ہیں۔ ہم کبھی ایسی آزادی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں گے بلکہ اس طرح کی آزادی کو مزید ترقی دیں گے۔

ہمیں یہ احساس بالکل ہے کہ زمانہ بہت بدل گیاہے۔ لیکن یہ سوچ کہ طالبان کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد خواتین کی تعلیم اور بیان کی آزادی سلب ہوجائے گی۔یہ ان لوگوں کی طرف سے پھیلائی جاتی ہے جن کاوجود بیرونی طاقتوں کے مرہونِ منت ہے اور جن کو اپنے آقاؤں کے جانے کے بعد یہاں اپنی فنا نظر آتی ہے۔ اسی وجہ سے متعدد ریڈیو اور ٹی وی چینلز اس بحث کو ہوادے رہے ہیں ۔ طالبان کے بارے میں خوف کی فضا بنارہے ہیں۔

لیکن ملت یہ سمجھتی ہے کہ طالبان کے برسرِ اقتدار آنے سے نہ صرف یہ کہ امن وامان کی فضا بن جائے گی بلکہ طالبان کاہر اقدام ملت کی خیر خواہی کے لیے ہوگا۔ ہم قوم کی ترقی چاہتے ہیں۔ اپنے ملک کو ترقی یافتہ ملک دیکھناچاہتے ہیں۔ اسی مقصد کے لیے ہم نے مختلف ممالک کے دورے کیے کہ افغانستان کے لیے دنیاسے ہمدردی اور تعاون حاصل کرکے لائیں۔ ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم زور زبردستی اقتدار حاصل کریں اور قوم کو ان کے حقوق سے محروم کیاجائے۔ ہم آئندہ کے لیے پر امید ہیں اور ہماری ساری کوششیں قوم کی خیر سگالی کے لیے ہیں۔ اس مظلوم ملت نے چالیس سال مشکلات برداشت کیں۔ ہے ہم نہیں چاہتے کہ انہیں مزید مشکلات میں گھیر کر رکھیں۔

شہید عبدالواحد عکرمہ تقبلہ اللہ

مولوی نذیر ہلال

جب سے ہماری جہادی سرزمین اور افغانستان میں اسلام کی شمع روشن ہوئی ہے تب سے اس مٹی کے جوانوں خاص کر طالبان نے اس شمع کی روشنی کے لیے بیش بہا قربانیاں دی ہیں۔ زندگی کی تمام آسائشوں کو پس پشت ڈال کر ہر قسم کی مشکلات کو گلے لگایا۔ اس کٹھن راہ میں آنے والی مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ اس راہ میں ہزاروں نوجوانوں نے اپنے خون کے نذرانے پیش کیے۔ اس تحریر میں انہیں جوانوں میں سے آج جہادی محاذ کے ایک مسافر طالب شہید عبدالواحد عکرمہ تقبلہ اللہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

شہید عبدالواحد عکرمہ کے والد کا نام عبدالمالک تھا۔ آپ کا تعلق صوبہ کاپیسا کے ضلع نجراب کے علاقے افغانیہ سے تھا۔ عکرمہ نے طالبان تحریک کے اواخر میں عبدالمالک آکا کے جہادی گھرانے میں آنکھ کھولی۔

شہید عکرمہ نے بچپن میں اپنی کھیتوں میں والدین کا ہاتھ بٹایا، جب کچھ بڑے ہوئے تو محلے کے امام مسجد اور پھر ایک محلے کے ایک مدرسے میں ابتدائی دینی علوم کے سلسلے کا آغاز کیا۔ اس کے بعد اپنے علاقے کے ایک سکول میں داخلہ لیا اور پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔

عکرمہ تقبلہ اللہ کے دل میں بچپن ہی سے علم دین سیکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کا جذبہ موجزن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عصری علوم کو خیر باد کہہ کر مدرسے کی راہ لی۔

جلال آباد کے مختلف مدارس میں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد خیبر پختونخوا میں تین سال تک درجہ ثالثہ تک اسباق مکمل کیے۔

شہید عکرمہ کی زبان ہر وقت ذکر الہی سے تر رہتی لیکن باطنی تربیت چونکہ ایک مرشد ضروری ہوتا ہے اس لیے انہوں نے استخارہ کے بعد 1441ھ میں شیخ القرآن والحدیث مولانا عبدالرشید شنواری حفظہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

شہید عکرمہ بچپن ہی سے جہاد اور مجاہدین کے ساتھ بے پناہ محبت کرتے تھے۔ صرف اپنی کم سنی کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکے۔ کئی بار مجاہدین کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی لیکن مجاہدین نے انہیں چند سال انتظار کرنے کو کہا۔ جب انتظار کی گھڑیاں طویل ہوئیں تو انہوں نے ایک بار پھر جانے کی شدید خواہش ظاہر کی حالانکہ انہوں نے ابھی تک جوانی کی دہلیز پر قدم نہیں رکھا تھا۔ درجہ اولی کی پڑھائی ادھوری چھوڑ کر جب جہاد کی راہ میں نکلے تو پورا ایک سال لگالیا۔

اس کے بعد جہاد کا یہ سلسلہ ہر سال اسباق کے اختتام پر ان کی شہادت تک جاری رہا۔

شہید عکرمہ تقبلہ اللہ ایسی صفات عالیہ کے حامل تھے جن کا کئی لوگوں میں ایک ساتھ پایا جانا ناممکن ہے۔ ان کی ایک انفرادی خصوصیت یہ تھی کہ کبھی ان کی زبان سے غیبت نہیں سنی گئی۔ اگر مجلس میں کوئی غیبت کرتا تو وہ اسے فوراروک لیتے۔ ساتھیوں کے ساتھ ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے۔ غیر ضروری مجالس اور گپ شپ سے دور رہتے۔ جب دو ساتھیوں میں ناراضگی ہوتی تو بڑی اخلاص سے دونوں کی صلح کراتے۔ مرکز اور مدرسے میں ساتھیوں کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے۔ لوگوں سے ہمدردانہ رویے کے ساتھ پیش آتے تھے۔ لوگوں کے مطالبات جتنا ان سے ممکن ہو سکتا تھا پورا کرتے۔

ویسے تو انسان کی زندگی خواہشات کے ایک لامتناہی سلسلوں کا دوسرا نام ہے جن کے پورا کرنے میں اس کی پوری زندگی بیت جاتی ہے۔ دنیا کے لوگ عموماً زندگی کی آسائشوں، گاڑیوں، بینک بیلنس اور بلند و بالا عمارات کھڑی کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے نوجوانوں کی خواہشیں دنیا کے لوگوں سے جدا اور منفرد ہیں۔ دن رات جہاد ار جہادی محاذوں پر جانے اور شہادت کی تمنا ان کی دل و زبان پر ہوتی ہے۔

ان کے مدرسے کے ایک استاد کہتے ہیں کہ شہید عکرمہ نے کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں کی۔ تقویٰ اور ایثار ان کے چہرے سے عیاں ہوتا تھا۔ میں ان کو نصابی کتابوں کے علاوہ کچھ فکری درس بھی دیتا رہا۔ ایک دن کہنے لگے کہ استاد جی یہ فکری درس مجھے زیادہ سمجھ نہیں آتی آپ اتنی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کوئی بات نہیں آپ کوشش جاری رکھیں مجھے تم سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ یہ سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

شہید عکرمہ کی سب سے پہلی کوشش یہ تھی کہ وہ امارت اسلامیہ کے استشہادی گروپ میں شامل ہوتا کہ دین اسلام کے دشمنوں سے اپنے مظلوم بھائیوں کا انتقام استشہادی حملے کے ذریعے لیا جائے۔ ڈیڑھ سال تک اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے ڈیڑھ سال تک صبر آزما انتظار کیا۔ لیکن حالات ایسے پیش آئے کہ ان کی یہ مقدس خواہش پوری نہ ہو سکی۔

انہیں تقریر کرنے کا بھی بے حد شوق تھا۔ استاد یاسر تقبلہ اللہ کی تقاریر سب سے زیادہ سنتے اور ان کے انداز کو پسند کرتے۔ اسی وجہ سے شہری کارروائیوں میں مجاہدین کے درمیان انہوں نے اپنا نام یاسر رکھا تھا۔

یادیں:

ان کے ساتھ جہاد میں شریک ساتھیوں نے بتایا رمضان کی ہر رات وہ یہ دعا کرتے کہ کاش یہ عید میں جنت میں گزاروں تو کتنا مزہ آئے گا۔ کہتے ہیں کہ اسی رات جب ہم سونے لگے تو انہوں نے مٹی کو تکیہ بنایا اور لیٹ گئے۔ اسی اثناء میں ایک دوست نے ازراہ مذاق کہا: یاسر بھائی ایسا نہ ہو کہ تو شہید ہو جائے کیوں کہ تو نے ابھی سے اپنے لیے لحد جیسا تکیہ بنالیا ہے۔

انہوں نے جس انداز سے جواب دیا اس سے معلوم ہوتا ہے جیسے انہوں اپنی شہادت کا پہلے سے علم تھا ساتھی کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور کہا "کل شہید ہو جاؤں گا"

اگلے دن مجاہدین کے ساتھ کارروائی پر جانے سے قبل ظہر کی نماز کے بعد پورا ایک گھنٹہ دعا میں آہ وزاری اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے شہادت کا سوال کرتے رہے۔

شہادت:

شہید عکرمہ تقبلہ اللہ نے اپنی بہادری، تقویٰ اخلاص اور اطاعت کی وجہ سے جہادی رہنماؤں کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اپنے اصرار کی وجہ سے انہیں کابل شہر کے گوریلا کارروائیوں کے ایک گروپ میں شامل کر لیا گیا۔

شہادت سے تقریباً تین ہفتے قبل انہوں نے ایک خواب دیکھا جو انہوں نے مجھے [راقم الحروف] بڑی خوشی سے سنایا۔ ان کا کہنا تھا کہ مولوی صاحب: میں نے خواب دیکھا کہ میں اور میرا ساتھی ہلال کہیں جا رہے ہیں۔ وہ آگے اور میں اس کے پیچھے چل رہا ہوں۔ ہم ایک خوبصورت محل تک پہنچ جاتے ہیں۔ اتنے میں اس محل سے سرور کائنات، فخر موجودات رحمت اللعالمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لاتے ہیں دونوں کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں۔ بعد میں مجھ سے پوچھتے ہیں کہ:

کیا تم عکرمہ ہو؟

میں نے جواب دیا "جی ہاں" جس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اندر آیئے "اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے کہا یاسر جان تعبیر تو شہادت کا اشارہ دیتی ہے۔ تو انہوں نے عاجزانہ انداز میں جواب دیا: مولوی صاحب ہماری اتنی قسمت کہاں؟

لیکن مجھے اسی وقت یقین ہو گیا کہ وہ شہید ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا ہے۔ لیکن اتنی جلدی شہادت کے رتبے پر فائز ہونے کا مجھے خیال نہیں تھا۔

لیکن جو اللہ کو منظور ہو وہی ہو کر رہتا ہے۔ اخلاص، اخلاق، ایثار کا یہ نمونہ 24 رمضان 1441ھ بروز اتوار عصر کی نماز کے بعد دین کے دشمنوں پر کابل کے ضلع چہار آسیاب میں ایک گوریلا کارروائی کے دوران سارا دن بھوکا پیاسا رہ کر روزے کی حالت میں جام شہادت نوش کیا۔ نحسبہ کذالک واللہ حسیبہ

شہید عکرمہ تقبلہ اللہ کے ایثار اور بہادری کی وجہ سے اس کارروائی میں ان کے تین ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے دشمن کے چنگل اور شدید محاصرے سے نکال لیا۔

استعمار اور تہذیب کے چاک ہوتے پردے

حسن مہمند

ایک چھوٹے جرم کے الزام میں ایک سفید فام پولیس افسر ڈیرک شوون نے ایک عام سیاہ فام شخص جارج فلوئیڈ کو گھٹنوں تلے دبایا۔ فلوئیڈ کی سانس رک گئی۔ اس نے بہت نحیف آواز میں کہا "آئی کانٹ بریتھ مین" {چھوڑ دو مجھے، میں سانس نہیں لے پا رہا}۔ مگر 9 منٹ تک اس کی گردن پر بے رحم گھٹنا موجود رہا۔ یہاں تک کہ اس کا جسم ساکت ہو گیا اور اس کی آواز بھی بند ہو گئی۔ نہ وہ خود اور نہ کوئی اور یہ سمجھ رہے تھے کہ اس کی یہ کمزور آواز اتنی طاقتور ہو جائے گی کہ پوری دنیا کو لرزا کر رکھ دے گی۔

فلوئیڈ اپنی زندگی میں ایک ناکام، افلاس زدہ، ناسمجھ اور کئی جرائم میں ملوث انسان تھا۔ امریکا کے سفید فام بھی جرائم سے پاک نہیں۔ مگر سیاہ فام جو امریکا میں احساس محرومی کا شکار ہیں سفید فاموں کے مقابلے میں جرائم میں زیادہ ملوث ہوتے ہیں۔ جارج فلوئیڈ بھی اکثر سیاہ فاموں کی طرح چوری، ڈاکے، منشیات وغیرہ کے استعمال اور لوگوں کو پریشان کرنے کے جرائم میں ملوث تھا۔ اور اسی لیے کئی بار عدالت کی جانب سے انہیں سزا بھی سنائی گئی۔ کئی سال تک اس نے جیل بھی برداشت کی۔ وہ ہوسٹن میں پیدا ہوا۔ وہیں پلا بڑھا۔ پولیس کی مسلسل نگرانی سے تنگ آکر اس نے منی ایپلس کا رخ کیا۔ مگر قسمت نے وہاں بھی ساتھ نہیں دیا۔ 25 مئی تک فلوئیڈ ایک عام سا گمنام شخص تھا۔ اپنے قریبی لوگوں کے علاوہ کوئی اسے نہیں جانتا تھا۔ مگر اس دن سب کچھ بدل گیا۔ یعنی 26 مئی کو اسے پوری دنیا میں شہرت مل گئی۔ دنیا کے کونے کونے میں لوگ اس کے نام سے واقف ہو گئے۔ جارج فلوئیڈ جسے ایک روز قبل کوئی نہیں جانتا تھا عالمی شہرت حاصل کر گیا، جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر شہرت کے اس راستے میں وہ خود قربان ہو گیا۔ اپنے قتل کی ویڈیو میں وہ دنیا میں سب سے زیادہ دیکھا گیا۔

ڈیرک شوون نامی پولیس افسر جس نے اس کی گردن پر گھٹنا رکھا تھا اس سے بہت عاجزی سے فلوئیڈ نے کہا "چھوڑ دو میں سانس نہیں لے پا رہا"۔ فلوئیڈ کے اس جملے نے پوری دنیا میں لوگوں کے جذبات ابھارے۔ فلوئیڈ پر ہونے والے ظلم سے زیادہ اس جملے نے پولیس بلکہ پوری حکومت کے خلاف عام لوگوں کا ردعمل ابھارا۔

امریکا سمیت پوری دنیا میں حکومتوں کی جانب سے عوام پر ہونے والے مظالم کم نہیں ہیں۔ نوجوانوں، بچوں، خواتین اور بوڑھوں سب پر بڑے بڑے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ مگر ظلم کے کسی بھی واقعے پر اتنا بڑا ردعمل سامنے نہیں آیا جس طرح فلوئیڈ کی مظلومیت پر آیا۔ نسل پرستی کے خلاف امریکا میں شدید غصہ دیکھا گیا۔ لوگوں کا ردعمل اتنا سخت تھا کہ اس کی وجہ سے امریکی صدر بھی ایک انتہائی محفوظ کمرے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ ان مظاہروں میں ایک نیا طریقہ یہ سامنے آیا ہے کہ امریکا اور برطانیہ میں ان تمام سفید فام سیاسی رہنماؤں کے مجسمے لوگوں نے گرا دیے جو اپنے ادوار میں نسلی تعصب کا شکار تھے۔

برطانیہ کے بہت سے لوگ اس بات سے ناواقف تھے ورنہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اب بھی ان لوگوں کو معزز سمجھا جاتا ہے جو افریقہ سے سیاہ فام لوگوں کو زبردستی لا کر غلام بناتے اور پھر امریکا اور دیگر مغربی ممالک میں بیچ دیتے۔ جب برطانیہ میں سیاہ فام لوگوں کی حمایت میں مظاہرے شروع ہو گئے اور مجسمے گرائے جانے لگے تو تب برطانوی شہریوں کو یہ سمجھ آنے لگا۔ ایڈورڈ کولسٹن اپنے دور میں سیاہ فام غلاموں کا بہت بڑا تاجر تھا۔ اسی تجارت سے اس نے بڑا سرمایہ کمایا تھا۔ اسی سرمائے سے اس نے ساحلی شہر میں بڑی عمارتیں بنائی تھیں۔ جس سے یہ ساحلی شہر برسٹل بڑا سرمایہ دار شہر بن گیا تھا۔ اس کی موت کے بعد لوگوں نے اس سے اظہار محبت کے لیے اس کا مجسمہ بنایا تھا اور بہت اہتمام سے شہر میں کھڑا کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ اسے بڑی تاریخی شخصیت سمجھ رہے تھے۔ حالیہ مظاہروں میں مظاہرین نے یہ مجسمہ بڑی حقارت سے زمین پر گرایا۔ اسے پاؤں سے روندھا اور انتہائی تذلیل کے بعد سمندر تک کھینچا اور اسی بندرگاہ میں سمندر میں پھینکا جہاں سیاہ فام غلاموں کو لایا جاتا۔

ان مظاہروں کے سلسلے میں برطانوی نوجوانوں نے یہ نعرہ لگایا کہ برطانیہ میں غلاموں کے تاجروں اور نسل پرستوں کے مجسمے گرائے جائیں۔ اس نعرے کے بعد برطانیہ میں نصب شدہ مجسموں پر رنگ پھینکے گئے تو واضح ہوا کہ برطانیہ میں نسل پرستوں کی تاریخ بہت طویل ہے۔ اس میں پہلے وزیر اعظم اور تاریخی شخصیت ولیم گلیڈسٹن اور اس سے بڑے سیاست دان ونسٹن چرچل کا نام بھی شامل تھا۔ اب برطانوی حکومت نے خود ایسے لوگوں کے مجسمے گرانے اور ان کے نام پر بنی یونیورسٹیوں کے نام تبدیل کرنے پر غور کرنا شروع کر دیا ہے۔

قارئین کرام کے علم میں ہوگا کہ سوشل میڈیا پر اس ویڈیو کے پھیلنے کے بعد امریکی لوگ بھی سڑکوں پر آ گئے۔ عوام کا احتجاج اتنی تیزی سے امریکا میں پھیلا کہ تین دن کے اندر 40 شہروں میں حکومت کو لاک ڈاؤن کرنا پڑا۔ مظاہرے اتنے شدید تھے کہ پولیس کے کنٹرول سے نکل گئے اور مجبوراً نیشنل گارڈ کو بلانا پڑا۔ پرامن مظاہرے بہت کم تھے۔ اکثر شہروں میں مظاہرے پرتشدد تھے۔ پولیس کی گاڑیوں کے ساتھ عام لوگوں کی گاڑیوں اور دکانوں کو بھی جلایا گیا۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ حکومتی بے انصافیوں نے انہیں اس تشدد پر مجبور کر دیا۔ اس تباہی کے بغیر حکومت اور دنیا کی توجہ ان کی جانب مبذول نہیں ہو رہی تھی۔

امریکا اس مادی دنیا میں سب سے بڑی طاقت ہے۔ اس کی آبادی 320 ملین تک

ہے۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ سب دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔

ہسپانیہ کے قبضے کو توسیع دینے اور سلطنت کے لیے نئی زمینیں ڈھونڈنے کے لیے 12 ویں صدی میں ہسپانیہ کے بادشاہ اور ملکہ کے کہنے پر کولمبس نکلا اور اس نے امریکا کو دریافت کر لیا۔ مختصراً کہوں تو ہسپانیہ کے بعد فرانس اور پھر برطانیہ اس کا مالک بنا۔ اس زمین کے مالک بدلتے رہے مگر اس کے باسی یہاں سے نہیں گئے۔ جارج واشنگٹن نے برطانیہ کے خلاف شدید جنگ کی۔ برطانیہ کو باہر نکالا۔ امریکا آزاد ہوا اور 13 ریاستوں پر مشتمل امریکا وجود میں آگیا۔ اب اس کی ریاستیں 52 تک پہنچ گئی ہیں۔ اس مسافروں کے دیس میں اب بھی دنیا بھر سے لوگوں کی آمد جاری رہتی ہے۔ بہت کم اولوالعزم لوگوں کے علاوہ یہاں آنا ہر شخص کی بڑی خواہش ہوتی ہے۔ اور بہت کم لوگوں کی یہ خواہش پوری ہوتی ہے۔

سیاہ فام امریکا کی ساری آبادی کا 13 فیصد ہیں۔ یعنی 33 ملین سیاہ فام امریکا میں رہتے ہیں۔ یہ تقریباً سبھی ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں اپنی خدمت اور مشقت کے کاموں کے لیے افریقہ سے لایا گیا اور جبراً غلام بنایا گیا۔ گذشتہ صدی کے آدھے تک سفید فام لوگ سیاہ فاموں کو انسان نہیں سمجھتے تھے۔ مغربی ممالک میں سیاہ فاموں کو مساوی حقوق دینے کی تحریکوں کے بعد یہاں بھی مارٹن لوتھر کنگ کی تحریک مضبوط ہوگئی۔ جس کے نتیجے میں امریکی آئین میں تبدیلی آئی اور سیاہ فاموں کو دوسرے اور تیسرے درجے سے نکالا گیا۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب بارک اوباما نام کا ایک سیاہ فام شخص پے در پے دو بار صدر منتخب ہوا۔ یہ امریکی تاریخ میں عملی طور پر بہت بڑی تبدیلی تھی۔ مگر عجیب بات یہ تھی کہ جب ملک کے مفاد کی بات تھی تو سفید فاموں نے بارک اوباما کو ووٹ دیے۔ لیکن انہوں نے سیاہ فاموں کو دل میں جگہ نہیں دی۔ یہاں نسلی تعصب ختم نہیں ہوا۔ اب بھی سفید فام سیاہ فام لوگوں کو اول درجے کے شہری کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اسی لیے تو جارج فلوئیڈ جیسے لوگوں کی ہلاکت کے واقعات ہوتے ہیں۔

اس تعصب کے باوجود اب بھی سفید فاموں کی بڑی تعداد نے سیاہ فام شہریوں کے ساتھ ہمدردی اور ہم آہنگی کا مظاہرہ کیا۔ ان کے ساتھ مظاہروں میں کھڑے ہوگئے۔ جس کی وجہ سے یہ مظاہرے اور بھی مضبوط ہوگئے۔ پورا امریکا اس سے ہل گیا۔ اور ایسا وقت بھی آیا کہ امریکی صدر کو ایک محفوظ کمرے میں پناہ لینی پڑی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مظاہرین نے بڑے شہروں میں پولیس پر حملے کیے۔ پولیس کے مراکز اور گاڑیاں جلادیں۔ امریکی پرچم نظر آتش کر دیے۔ کئی شہروں میں لوگ حکومتی کرفیو کو توڑ کر سڑکوں پر نکل آئے۔ یہاں تک کہ مظاہرین نے وہائٹ ہاؤس کا محاصرہ کر لیا۔ اتنا خوف وہراس پھیل گیا کہ ٹرمپ کو ایک محفوظ کمرے میں پناہ لینی پڑی۔ مگر پورے امریکا میں کہیں بھی پولیس کی جانب سے شہریوں پر براہ راست فائرنگ نہیں کی گئی۔ نہ حکومتی فورس کی جانب سے کوئی ہلاک یا زخمی ہوا۔ مصر کے جنرل سیسی جیسے مسلم دنیا کے اکثر حکمرانوں کی حالت پر افسوس کیا جاسکتا ہے، جن کے خلاف لوگ مظاہروں کے لیے نکل آتے ہیں تو ہزاروں کی تعداد میں مار دیے جاتے ہیں۔ ہزاروں افراد کو جیلوں میں ڈالا جاتا ہے۔ دیگر ظالم اداروں کے ذریعے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ امریکا اور دیگر مغربی دنیا کے حکمران اپنے ملکوں میں جمہوریت چاہتے ہیں۔ مگر اسلامی دنیا میں حقیقی جمہوریت نہیں چاہتے۔ اسلامی دنیا پر ہمیشہ ڈیکٹیٹر شپ چاہتے ہیں۔ وہ فوجی ہو یا سول ڈیکٹیٹر۔ کیوں کہ حقیقی جمہوریت میں ان کے مقاصد پورے نہیں ہوتے۔ ہر اسلامی ملک میں امریکا اور دیگر مغربی ممالک کے مقاصد کے حصول کا سب سے آسان اور موثر راستہ اس ملک پر ڈیکٹیٹرز کا تسلط ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ امریکا سے باہر کچھ مبصرین کا کہنا تھا کہ ان مظاہروں کے پیچھے خود امریکی انٹیلی جنس ادارے سی آئی اے کا ہاتھ ہے۔ سی آئی اے ٹرمپ کے لیے مسائل کھڑے کرنا چاہتا ہے۔ انہیں بدنام کرنا چاہتا ہے تاکہ اگلے الیکشن میں لوگ انہیں ووٹ نہ دیں۔ کیوں کہ ٹرمپ سارے فیصلے خود کرتا ہے۔ اس نے ملک کا انٹیلی جنس ادارہ بے اختیار کر کے رکھ دیا ہے۔

امریکا کے اندر ان مظاہروں کے پیچھے روس کے ہاتھ کی باتیں بھی ہوتی رہیں۔ مگر چونکہ حکومت کے پاس اس حوالے سے شواہد نہیں تھے اس لیے کسی کے ملوث ہونے کی بات نہیں کی۔ اس میں بھی اسلامی دنیا کے لیے بہت عبرت ہے کہ جہاں حکمران اپنے خلاف اٹھنے والے عوام کے کسی بھی چھوٹے اور بڑے رد عمل کو دوسروں کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ اور اسے بیرونی سازش قرار دیتے ہیں۔ دراصل اپنے عوام پر اس طرح کا الزام لگا کر انہیں اپنے عوام پر مظالم ڈھانے کا بہتر جواز مل جاتا ہے اس لیے ہمیشہ اسی سے کام لیتے ہیں۔

یہ بات ٹھیک ہے کہ استعمار کے خلاف جنگ لڑنا آسان نہیں۔ مگر امید افزا بات یہ ہے کہ جب مظلوم اور محکوم ایک ہوئے ہیں تو انہوں نے تاریخ بدل دی ہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ عوامی بغاوت کے مقابلے میں بڑی بڑی طاقتیں سر جھکانے پر مجبور ہو چکی ہیں۔ امریکا، برطانیہ اور دیگر مغربی طاقتیں جنہوں نے گذشتہ ایک صدی سے عوامی انقلابات کے نام پر دنیا کے مختلف حصوں میں مخالف نظاموں اور افکار کا خاتمہ کیا۔ آج خود ایسی ہی عوامی تحریک کا شکار ہیں۔ لینن، سٹالن، صدام اور قذافی کے مجسمے جب گرائے جارہے تھے تو امریکا اور برطانیہ خوش ہو رہے تھے، ان کا میڈیا اسے آمرانہ افکار کی تدفین قرار دے رہا تھا۔ آج برطانیہ میں چرچل اور ولیم گلیڈسن امریکا میں جارج واشنگٹن اور کولمبس کے مجسمے گرا کر زمین پر کھینچے گئے۔ لوگ اسے روندتے رہے اور زمین میں دفن کر دیے۔

اس میں دنیا کے لیے یہ بڑا پیغام ہے کہ ظلم اور استعمار کو تہذیب کا نام دینے سے بھی اسے زیادہ نہیں چلایا جاسکتا ہے۔ دنیا کو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جھوٹ سے بھرے نصاب اور جھوٹ سے بھری تاریخ انسانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ امریکا میں کولمبس کے مجسمے اسی لیے نصب کیے گئے تھے کہ لوگ یہ مان لیں کہ امریکا اسی نے دریافت کیا تھا۔ موجودہ امریکیوں پر اسی کا بڑا احسان ہے۔ امریکا کے نصابوں میں بھی یہی ذکر کیا گیا ہے۔ امریکی نصابوں میں نہ امریکا کے اصل مالکوں ریڈ انڈینز کا ذکر ہے نہ ان سیاہ فام لوگوں کا جن کے خون پسینے کی محنت سے امریکا آباد ہوگیا۔ یہ تاریخ کا بہت بڑا جبر ہے۔ انسانی ضمیر کی حالیہ بیداری کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ استعمار کے دن اب بہت کم رہ گئے ہیں۔ ان کا سورج اب ڈوبنے کو ہے۔ بہت جلد انسان اس عظیم شر سے آزاد ہونے والا ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب آسمانی ہدایت کی طرف اس کا رخ ہوگا اور حقیقی تہذیب و تمدن اپنائے گا۔

فکری جنگ کے اصول، اہمیت اور ضرورت

مولوی شمس الرحمان منصور

اگر موجودہ زمانے میں فکری جنگ کے اسالیب اور طریقہ کار پر غور کیا جائے تو وہ بالکل ماضی میں لڑی گئی جنگوں کی طرح ہے۔ وہی لہجہ اور وہی اصطلاحات اس میں استعمال ہو رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد باطل قوتوں نے اسلام کے خلاف لڑی تھی۔ آج بھی باطل اور اسلام دشمن قوتوں کی یہی کوشش رہتی ہے کہ اسلام کے چراغ کو گل کیا جائے، جس طرح ابتدائے اسلام میں کفار مکہ نے یہی کوشش کی تھی اور اپنی پوری توانائی صرف کرکے اسلام کے چراغ کو گل کرنے کی کوشش کی تھی۔ دنیا کے مختلف ممالک میں بالعموم اور امریکا و یورپ میں بالخصوص فکری جنگ کی وسعت اور اسے قوی تر بنانے پر کانفرنسیں اور سیمینارز منعقد ہو رہی ہیں۔ ان کانفرنسوں میں ایک طرف اپنی سازشوں کو عملی بنانے جب کہ دوسری جانب مسلمانوں میں اسلام کے خلاف تشکیک کی مہم تیز کرنے کے حوالے سے وسیع تر مشاورت ہوتی ہے۔ آج کی کفری دنیا بھی کفار مکہ کی طرح اسلام کے خلاف فاسد تاویلات کرتی رہتی ہے، اسلام کے خلاف جھوٹی کہانیاں گھڑ کر پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو جاہل اور پس ماندہ ہونے کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ دینی اقدار اور قومی روایات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے حقوق کے حقیقی علم برداران، ترجمان، مخلص قائدین اور جہادی و سیاسی زعما کو توہین آمیز القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی مخلص قیادت کے کردار اور کارناموں کو ڈھول تلے دبا لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں تنگ نظری اور عدم برداشت کے کلچر کو فروغ دیتے ہیں۔ میڈیا میں ان کا استہزا کیا جاتا ہے، جب کہ اس عمل کو آزادی اظہار رائے کا نام دیتے ہیں۔ اسلامی معاشرے اور اسلامی ممالک میں دین اسلام کے سچے پیروکاروں کے کردار کو مجروح کرنے کے لیے مختلف عنوانوں سے مختلف حربے استعمال کیا جا رہا ہے۔ نوجوانوں میں فحاشی و عریانی کو فروغ دے کر اسے ہنر و کمال کا نام دیا جا رہا ہے۔ اس خود ساختہ ہنر و کمال کے معیار کو اپنانے کے لیے مختلف گم راہ کن سازشیں بناتی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کے نوجوان بچے بچیوں کو مختلف لالچوں کے ذریعے گم راہ کیا جاتا ہے۔ وہ مسلمان جوان

کے دام میں نہیں آتے بلکہ ان کے خوش نما نعروں کے خلاف شعور بیدار کرتے ہیں، انھیں بین الاقوامی امن کے لیے خطرہ قرار دے کر اسے جان سے مار دیتے ہیں، یا پھر کم از کم قید کر لیتے ہیں۔ انھیں گرفتار کرنے کے لیے لاکھوں ڈالر انعام رکھ لیتے ہیں تاکہ دنیا میں ان کے لیے رہنے کی جگہ ہی نہ ہو۔ جس طرح مدنی دور میں کفار نے چار طریقوں سے مسلمانوں کے خلاف فکری جنگ شروع کی تھی۔ شعروں میں مسلمانوں کی ہجو کر لیتے۔ تمام عیوب اور نقائص کو مسلمانوں کی طرف منسوب کرکے ان کے ساتھ مناظرے اور مباحث کرتے، ان کا مسلمانوں کے ساتھ معاملہ منافقت کا ہوتا تھا، سامنے خیر خواہی کا اور پیٹھ پیچھے سے سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ آج بھی دنیا فکری جنگ میں یہی سب کچھ کر رہی ہے۔ دنیا کے سامنے مسلمانوں کو دہشت گرد کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ میڈیا کے بل بوتے پر مسلمانوں کو مختلف القابات دے کر ان کی غلط تصویر کشی کی جاتی ہے۔ اسی طرح جب 1923 میں جنگ عظیم اول کے بعد خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا اور 1945 میں جنگ عظیم دوم کے بعد اقوام متحدہ کے نام سے ایک بین الاقوامی ادارہ سامنے آیا، تو اسلامی دنیا کے ساتھ ایک بہت بڑی ناانصافی کی گئی۔ انھیں دھوکہ دے کر پس منظر میں دھکیلا گیا۔ بین الاقوامی معاملات میں حصہ لینے سے انھیں محروم کیا گیا۔ دوسری طرف اسلامی دنیا کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کیا گیا۔ اقوام متحدہ کا منشور لکھ دیا گیا، انسانی حقوق کے نام پر تنظیمیں بنائی گئیں، ان کے لیے اصول وضع کیے گئے۔ اس تمام صورت حال میں مسلمان دھوکہ کے شکار ہوئے۔ اس طور پر کہ بظاہر تو اقوام متحدہ جنگوں کے روک تھام اور امن کے قیام کے لیے قائم کیا گیا، مگر در حقیقت اس سے طاقت ور قوتوں کے مفادات کے تحفظ کا کام لیا گیا۔ دنیا میں جاری جنگوں کے روک تھام کی بجائے ترقی پذیر ممالک پر بین الاقوامی قوتوں کی طرف سے کیے گئے حملوں کے لیے باقاعدہ جواز فراہم کی گئی۔ سلامتی کونسل کے نام سے پانچ ممالک کی جھولی میں پوری دنیا کی تقدیر کے فیصلوں کا اختیار دے دیا گیا۔ اس کے ساتھ ان پانچ ممالک نے اس قدر اختیارات حاصل کر لیے کہ دنیا کے دیگر ممالک

ان پانچوں کی ملکیت بن کر رہ گئے۔ وہ اپنے آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو جینے کا حق ہی نہیں دیتے۔ صرف انہی کو جینے کا حق حاصل ہوگا جو ان پانچوں کے استحصالی فیصلوں اور مفادات کو چیلنج نہ کرے اور ہمیشہ کے لیے ان کی غلامی کے سامنے سر تسلیم خم کرے، ہر وہ ملک جو ان کی غلامی سے انکار کرے ان کے لیے یہ مختلف مشکلات کھڑی کرتے ہیں۔ انہی کی مرضی سے حکومتیں چنی اور گرائی جاتی ہیں۔ وہ اپنی ہی مرضی سے دیگر ممالک کی قوت کو قانونی جواز دینے اور نہ دینے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ گویا دنیا میں جو جماعتیں ان پانچوں کے معیار پر پوری اترتی ہیں انھیں حکومت کا حق حاصل ہے اور جو نہیں اترتی انھیں حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ خلاف ورزی کرنے پر سلامتی کونسل فوری طور پر اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور ایک نام نہاد حکم کے ذریعے ان پر حملہ کرواتا ہے۔ اس حوالے سے کئی ساری مثالیں موجود ہیں جن پر بحث کی جاسکتی ہے البتہ بطور نمونہ ایک مثال کافی ہوگی۔ ہمارے ملک افغانستان میں نوے کے عشرے میں ایک خالص اسلامی حکومت بن گئی تھی جس نے ملک میں امن وامان کا قیام ممکن بنایا۔ ملک کو طوائف الملوکی سے بچالیا، افغانستان کی تحلیل و تقسیم کا راستہ روک لیا، ملک کے پچانوے فی صد حصے کو بدعنوانیوں سے بچالیا، لیکن یہ سب مغربی دنیا کے لیے ناقابل قبول تھا۔ آخر تک اقوام متحدہ نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ کیا کسی حکومت کے جواز کے لیے اقوام متحدہ سے اجازت لینے کی شرط صرف مسلمانوں کے لیے ہے؟ لگتا یہی ہے کہ یہ شرط صرف مسلمانوں کے لیے ہی ہے تاکہ دنیا میں ایک آزاد وخود مختار اسلامی مملکت نہ بن سکے۔ اس کی ایک زندہ مثال فلسطین ہے۔ وہ نصف صدی سے باقاعدہ حکومت ہے لیکن اقوام متحدہ نے آج تک اسے تسلیم نہیں کیا۔ اسی طرح کشمیر اور چیچنیا کو بھی حکومت کا حق صرف اس لیے نہیں دے رہے کہ اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل انھیں تسلیم نہیں کرتے۔

یہ سبھی کسی نہ کسی حوالے سے فکری جنگ کے مختلف محاذ ہیں۔ جس کے ذریعے دنیا کی بڑی طاقتیں مسلمانوں کو زیر کرنے اور ان کے خلاف طاقت آزمانے کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کو اقتصادی لحاظ سے کمزور کرنا عالمی کفری طاقتوں کی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو بھوک اور فقر میں مبتلا کرنا ہے۔ ان کی کوشش رہتی ہے کہ مسلمانوں کے انفراسٹرکچر پر خود ہی قبضہ کریں یا کم از کم مکمل طور پر تباہ کردیں، تاکہ مسلمان تمام ضرورتوں کے حصول کے لیے ان کی طرف دیکھنے لگیں جس کے نتیجے میں وہ الحاد وارتداد کو آسانی کے ساتھ ان پر مسلط کرسکیں۔ دیگر ممالک کی معیشتوں کو کمزور کرنا اور پھر عالمی مالیاتی اداروں کی جانب سے من پسند شرائط کے ساتھ انھیں قرضے فراہم کرنا، نتیجے میں انھیں اپنے سیاسی وعسکری مفادات کے تحفظ کے لیے آمادہ کرنا مغرب کی شیطانی حکمت عملی ہے۔ یہی عمل یورپ اور امریکا اپنی تجارتی کمپنیوں کے ذریعے کروا رہے ہیں۔ دنیا میں بالعموم اور اسلامی دنیا میں بالخصوص اہم اقتصادی پروجیکٹس، کارخانے، بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں کو نجکاری یعنی پرائیوٹ سیکٹر کے بہانے خرید رہے ہیں۔ حکومتوں کو لالچ دے کر مختلف حیلوں اور بہانوں کے ذریعے کم قیمت پر خرید رہے ہیں جب کہ صارفین کو مہنگی قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں۔ اس صورت حال کا منفی پہلو یہ ہے کہ وہ ملک رفتہ رفتہ اپنے ہی قومی اثاثوں اور اقتصادی منافع سے محروم کردیا جاتا ہے، بالآخر وہ یورپ ہی کی طرف دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ جن ممالک نے اپنے قومی اثاثے فروخت کیے اور اپنے اقتصادی منافع ورلڈ بینک کی جھولی میں پھینک دیے، وہ بالآخر دیوالیہ پن کے شکار ہوئے ہیں اور جب دیوالیہ ہوجاتے ہیں تو بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے ان کے نہایت مشکل شرائط پر قرضے وصول کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کی فکری آزادی سلب ہوجاتی ہے اور وہ سیاسی طور پر محکوم اور عسکری لحاظ سے مفلوج ہوجاتے ہیں۔ اس حوالے سے مزید تفصیلات اگلے مضمون میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیں گے، یہاں اتنی بات سمجھانے کے لیے کافی ہے۔

ان حقائق کا علم مسلم نوجوانوں اور اسلامی دنیا کی مذہبی قیادت کے لیے از حد ضروری ہے۔ تاکہ وہ اس بات سے باخبر رہیں کہ مغرب اور یورپ کی ہر فکری اور سیاسی وعسکری معاہدے کے دو مقاصد ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اپنے دین اور تہذیب کو وسعت دی جائے اور دوسرا یہ کہ کمزور اقتصادی حالت کو بہتر کریں۔

صلیبی جنگیں:

اگر ہم پانچویں صدی میں شروع ہونے والی صلیبی جنگوں کے اسباب وعوامل پر غور کریں تو درج بالا دونوں مقاصد مزید کھل کر واضح ہوجائیں گے۔ صلیبی زائرین کے قافلے در قافلے مسلم ممالک میں اپنے مقدس مقامات کی زیارت کی نیت سے آتے تھے۔ جب وہ مسلم ممالک میں بہترین طرز زندگی، اعلی بود و باش دیکھتے تو یہ صورت حال ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ کیوں کہ وہ اپنے ہی حکام کی جانب سے فقر، جہالت اور تاریکی میں زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ وہ سالوں ظلم و ستم کی چکی پستے رہے۔ جب وہ اپنے ممالک واپس جاتے تو مسلمانوں کی پرسکون

معاشرت اور ترقی یافتہ تہذیب و تمدن سے نہایت مرعوب ہوتے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے بھی اپنے بادشاہوں پر پرسکون طرز معاشرت فراہم کرنے کے لیے دباؤ بڑھایا۔ لیکن بادشاہوں کے مفادات ان کی جہالت کے ساتھ وابستہ تھے۔ وہ کسی طرح ان کو تعلیم اور پرسکون زندگی فراہم کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ وہ اپنے اہل و اولاد کو نسلی تفوق کی بنا پر برتر سمجھتے تھے اور یہ ساری سہولیات صرف اپنے بچوں کے لیے مہیا کرتے۔ یہ بادشاہ جب اپنے عوام کی دباؤ کے سامنے بے بس ہوتے تو عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے انھیں مسلمانوں کے گھروں اور جائدادوں کو مال غنیمت کی نیت سے غصب کرنے کی ترغیب دیتے۔ یہ سب وہ اپنے حق کے طور پر کرتے تھے۔ ان کے خون گرمانے کے لیے بادشاہوں نے صلیبی جنگوں کا نعرہ بلند کیا۔

یہ زائرین جب مسلم ممالک سے واپس جاتے تو ان کے لیے دوسرا رویہ جو ناقابل برداشت تھا وہ یہ کہ مسلمان باشندے اپنے دین پر سختی سے کاربند اور شریعت پر عمل کرنے والے ہیں۔ یہ صورت حال بھی ان کے لیے ناقابل برداشت تھی کہ ہم عیسائی کیوں مسلمانوں کی طرح اپنے دین پر عمل نہیں کر رہے ہیں۔ لہذا صلیبی جنگ شروع کرکے ایک تو اپنے دین کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کریں گے دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے مال و دولت پر قبضہ کرکے خوشحال زندگی بسر کرنے لگ جائیں گے۔ وہ شہر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین رحمہم اللہ نے ان سے قبضہ کیے تھے انھیں دوبارہ قبضہ کرکے وہاں عیسائیت کی تبلیغ شروع کریں۔ یورپ کے کئی صلیبی طاقتوں نے صلیب کے جھنڈے تلے مسلم ممالک پر حملوں کا اعلان کیا۔

صلیبی جنگوں کی تعریف:

الحروب الصليبية التي دعا اليها رجال دين النصارى والقساوسة ضد المسلمين باسم الصليب وتحت رايته

عیسائی مذہبی پیشواؤں کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف صلیب تلے لڑی جانے والی جنگیں صلیبی جنگیں کہلاتی ہیں۔

صلیبی جنگوں کا دور:

تاریخی لحاظ سے صلیبی جنگیں 489 ہجری میں شروع ہوئیں اور 690 ہجری میں اختتام کو پہنچیں۔ اس لحاظ سے صلیبی جنگیں دو صدیوں پر مشتمل ہیں۔

صلیبی جنگوں کے اہداف و مقاصد:

من جملہ صلیبی جنگوں کے مقاصد میں سے بڑے مقاصد وہ ہیں جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا۔ عام عوام کی توجہ بادشاہوں کی عیاشانہ طرز زندگی سے ہٹایا جائے، یورپ میں فقر اور محتاجی کے خاتمے کے لیے مسلمانوں کے شہروں اور ان کے قومی اثاثوں کو لوٹا جائے۔ عیسائیت کی توسیع کے لیے مسلمانوں سے ان کے شہر قبضہ کیے جائیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی اہداف ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

اسلامی ممالک کو قبضہ کرنا، بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے آزاد کرکے اپنے قبضے میں لینا اور مسلمانوں سے کھائے گئے شکستوں کا بدلہ لینا وغیرہ۔

عیسائی مذہبی رہنماؤں نے یہ پروپگنڈا شد و مد کے ساتھ کیا کہ مسلمان بیت المقدس میں عیسائیوں کے مذہبی مقدسات کی توہین کرکے زائرین پر ظلم ستم کرتے ہیں پیٹر نامی ایک راہب جو بیت المقدس سے نکالا گیا تھا اس نے اشتعال انگیز تقریریں کیں جس نے پورے یورپ میں آگ لگا دی۔ یہی وجہ ہے کہ 1085 عیسوی میں ایک عیسائی راہب اربن نے وینس میں پہلی صلیبی جنگ کا اعلان کیا۔

پہلی صلیبی جنگ:

496 ہجری (جولائی 1099ء) میں دس لاکھ عیسائیوں نے فرانس کے بادشاہ گاڈفری کی قیادت میں القدس پر صلیبی جھنڈا لہرا کر مسجد اقصی میں ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کیا۔ تاریخی حوالے سے ظاہر ہے کہ اس وقت اتنا زیادہ خون بہایا کہ عیسائی فاتحین کے گھوڑے گھٹنوں تک اس میں ڈوب گئے۔

عماد الدین زنگی: بیت المقدس پر قبضے کے چھبیس سال بعد 518 ہجری مطابق 1124ء میں بصرہ اور واسط میں عماد الدین زنگی کے نام سے ایک غیر معروف مجاہد نے مقامی طور پر اقتدار حاصل کیا۔ جلد ہی انھوں نے موصل میں ایک آزاد و خود مختار حکومت کی داغ بیل ڈالی جنھوں نے صلیبیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ 26 سالوں کے بعد صلیبی افواج پر وہ قہر الٰہی بن کر گرا اور صلیبی ان کی فتوحات سے خوف زدہ ہو گئے۔

نورالدین زنگی اور دوسری صلیبی جنگ:

عمادالدین زنگی کے بیٹے نورالدین زنگی نے اپنے والد کے شروع کردہ جہاد کو جاری رکھ کر صلیبیوں پر پے در پے حملے کیے۔ زنگی خاندان کی قوت توڑنے کے لیے ایک بار پھر صلیبی جنگ شروع ہوگئی۔ 542ہجری 1148ء میں کئی لاکھ جرمن اور فرانسیسوں نے سینٹ برنارڈ لائیڈ ہفتم کی قیادت میں شام پر حملہ کیا، مگر 544 ہجری 1149 میں ناکام ہوکر واپس ہوگئے۔

صلاح الدین ایوبی اور تیسری صلیبی جنگ:

سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر اور شام کو زیر نگیں لانے کے بعد ربیع الثانی 583 ہجری میں حطین کی جنگ کا اعلان کرکے شام سے عیسائیوں کا صفایا کیا۔ رجب المرجب 583 ہجری 1187ء کو بیت المقدس فتح کیا جس سے عیسائی مشتعل ہوگئے۔ 585 ہجری میں فلسطین پر حملہ کیا۔ یہ تیسری صلیبی جنگ تھی جو چار سال تک جاری رہی جو شعبان المعظم 588 ہجری میں عیسائیوں کی شکست پر منتج ہوئی۔

چوتھی صلیبی جنگ:

جرمن بادشاہ ہنری ششم نے 591 ہجری 1195ء میں شام پر حملہ کرکے چوتھی صلیبی جنگ کا آغاز کیا۔ لیکن عکاپور تک پہنچ کر مر گیا۔ یہ گویا چوتھی صلیبی جنگ تھی عکاپور کی موت پر جاکر ختم ہوگئی۔

پانچویں صلیبی جنگ:

618 ہجری مطابق 1221ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھتیجے الملک اور ان کے بھائیوں نے عیسائیوں کو عبرت ناک شکست دے دی۔

چھٹی صلیبی جنگ:

626 ہجری مطابق 1228ء میں جرمن بادشاہ فریڈرک دوئم کی سربراہی میں ایک بار پھر صلیبی لشکروں نے حملہ کیا، مگر اس دفعہ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ایک معاہدے کے تحت کچھ عرصے کے لیے القدس جرمنوں کے حوالے کیا گیا۔ اٹھارہ سال بعد جب اس معاہدے کی مدت ختم ہوئی تو 542 ہجری مطابق 1244ء میں الملک الصالح نے خوارزمی مجاہدین کی معیت میں صلیبی لشکر کے ساتھ لڑائی کرکے انھیں شکست فاش دے دی اور القدس کو ایک بار پھر آزاد کرا لیا۔

ساتویں صلیبی جنگ:

فرانس کے بادشاہ سینٹ لوئس سوئم نے پوپ کی تحریک پر 1248 میں ساتویں صلیبی جنگ شروع کی، لیکن انھوں نے محرم الحرام 648 ہجری مطابق 1250ء میں منصور نامی علاقے میں شکست کھائی، یہاں تک کہ وہ زندہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا جسے چار سال بعد رہا کرکے واپس اپنے علاقے پہنچادیا۔

آٹھویں صلیبی جنگ:

668 ہجری مطابق 1270ء کو اٹھارہ سال بعد سینٹ لوئس نے ایک بار حملہ کیا لیکن محاصرے کے دوران بیمار ہوکر دم توڑ گیا۔ یوں آٹھویں صلیبی جنگ میں شکست کھاکر صلیبی جنگوں کا یہ سلسلہ بھی اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ 690 ہجری مطابق 1291ء میں مصر کے شاہ الملک الخلیل نے شام سے عیسائی حکومتوں کا خاتمہ کرکے پانچویں صدی کی یادگاریں ڈھادیں۔

یورپ میں فکری جنگوں کے موسس:

سینٹ لوئس کی موت کے بعد عیسائیوں کی پے در پے شکستوں نے اس بات پر مجبور کیا کہ مسلمانوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے فکری طور پر خود کو لیس کرنا ہوگا، فکری و علمی میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے انھوں نے چار راہ نما باتیں بتائیں۔

1- مسلم حکمرانوں کے درمیان اختلافات کھڑے کیے جائیں۔

2- پختہ عقیدے اور نظریے کے حاملین کو مسلسل دباتے رہا کریں تاکہ وہ سر اٹھانے کے قابل ہی نہ ہوں۔

3- غزہ سے انطاکیہ تک وسیع یورپی حکومت قائم کرلینا۔ (یہ علاقہ حال میں فلسطین اور اسرائیل سے عبارت ہے۔)

4- مسلمانوں میں فحاشی و عریانی کو فروغ دیا جائے، ان میں مالی بدعنوانیاں پیدا کرکے ان کی حکومتوں کو کمزور کیا جائے۔

صلیبی جنگوں کے بعد ہی یورپ کے افکار میں تبدیلی آئی اور انہوں نے عسکری جنگوں کے ساتھ ساتھ فکری محاذ پر بھی خود کو لیس کیا اور دنیا میں جاری فکری جنگ کی بنیاد رکھ دی۔

دوحہ اور حدیبیہ کے دو معاہدے

مفتی ابوسعید راشد

ہجرت کے چھٹے سال ماہ ذی القعدہ میں رسول اللہ ﷺ سترہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرے کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

مکہ سے مدینہ کی طرف سفر کرتے ہوئے جب یہ لشکر عسفان پہنچا تو کفار نے ان کا راستہ روکا۔ خالد بن ولید جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے۔ دو سو افراد کے ساتھ آکر مسلمانوں کا راستہ روکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن یہیں پر گزارا اور رات کی تاریکی میں اپنے صحابہ کے ساتھ راستہ بدل کر ایک پہاڑی مغربی راستے کے ذریعے حرم کی حدود حدیبیہ پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ خالد بن ولید عسفان میں تھے اور جب مسلم لشکر کے جانے کی اسے خبر ہوئی تو بڑی تیزی سے دوسرے مشرکین تک یہ خبر پہنچائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش یہی تھی کہ حدیبیہ کے راستے سیدھا حرم میں داخل ہو کر عمرہ ادا کریں لیکن حدیبیہ کی حدود میں پہنچتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور آگے جانے سے انکار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہو رہا ہے اور اللہ کو یہ منظور نہیں کہ اسلامی لشکر اس طرح مسلح حالت میں مکہ میں داخل ہو۔ اس میں ایک بڑی حکمت یہ تھی کہ اگر مکہ کے اندر جنگ چھڑ جاتی تو بہت سے ایسے مسلمان بھی مارے جاتے جو خفیہ طور پر اسلام قبول کر چکے تھے اور مسلمان انہیں پہچانتے نہیں تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی واپس پیچھے کی طرف مڑی۔ حدیبیہ کے میدان کے آخر میں ایک کنویں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ یہیں پر مسلمانوں نے پڑاو ڈالا اور یہی اس لشکر کی قیام گاہ ٹھہری۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی نے آگے جانے سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا: آج میں قریش مکہ کی ہر اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہوں جس میں شعائر اللہ [اللہ کے گھر] کا احترام ہو۔ [لا یسألوني خُطّةً یعظّمون فیها حرمات اللہ إلا أعطیتُهم إیاها]

یہاں پر پڑاو ڈالنے کے بعد کئی دفعہ نمائندوں کے ذریعے رابطے ہوئے اور بالآخر کفار کا وفد سہیل بن عمرو کی سربراہی میں آیا اور صلح حدیبیہ کے نام سے ایک تاریخی معاہدے پر دستخط ہوئے۔ جب بات چیت اختتام کو پہنچی تو اس معاہدے کی تحریر کی نوبت آئی۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سب سے پہلے لکھو: "بسم اللہ الرحمن الرحیم"

اس پر سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا یہ نام [الرحمن] ہم نہیں جانتے اس لیے صرف یہ لکھو "باسمک اللھم" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسی طرح لکھنے کا حکم دیا۔

پھر نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب لکھو: یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو نے اتفاق کیا ہے۔

یہاں سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیتے تو پھر آپ کو کعبہ جانے سے کیوں روکتے۔ رسول اللہ کی جگہ صرف محمد بن عبداللہ لکھا جائے جس طرح آپ پہلے لکھا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میں اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ آپ میری نبوت کو نہیں مانتے، لکھو محمد بن عبداللہ"۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدے میں مخالفین کی ہر بات کو اس لیے مانتے جا رہے تھے کیوں کہ شروع میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "آج میں قریش مکہ کی ہر اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہوں جس میں شعائر اللہ [اللہ کے گھر] کا احترام ہو"

اس تمہید کے بعد مندرجہ ذیل مادوں پر اتفاق ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے سپرد قرطاس کرتے رہے:

باسمک اللھم، یہ وہ تحریری ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے اتفاق کیا ہے۔

۱۔ دونوں جانب سے اس بات پر اتفاق ہوا ہے کہ دس سال تک جنگ بندی رہے گی، لوگ امن سے رہیں گے، چوری اور خیانت نہیں ہو گی اور ہمارے درمیان دوستانہ تعلقات ہوں گے۔

۲۔ جو لوگ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے ساتھ ہونا چاہتے ہیں وہ جا سکتے ہیں

اور جو قریش کے ساتھ اس معاہدے کے تحت رہنا چاہتے ہیں وہ بھی آسکتے ہیں۔

۳۔ جو شخص محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے ساتھ اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مل جائے یا ان کے لشکر میں شامل ہو جائے تو ان کا فرض ہے کہ اسے واپس بھیج دے۔ اور جو شخص محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے لشکر سے نکل کر قریش کے پاس آ جائے تو وہ اسے واپس نہیں بھیجیں گے۔

۴۔ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] اس سال اپنے ساتھیوں سمیت واپس مدینہ جائیں گے اور آئندہ سال مکہ آئیں گے۔ یہاں تین دن قیام کریں گے، مسلح ہو کر نہیں آئیں گے مگر ایک مسافر کی طرح ان کی تلوار میان کے اندر ہو گی۔

سیرۃ ابن إسحاق (ص 462) (المغازي للواقدي (ص 98) سیرۃ ابن هشام (238/3]

۵۔ قربانی کے جانور اس جگہ [حدیبیہ میں] ہی ذبح کر کے یہاں سے روانہ ہوں گے۔ (مصنف ابن أبي شيبة (403/20) برقم (37998)

۶۔ مکہ کے لوگوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور اگر ان کے ساتھیوں میں سے کوئی مکہ میں ٹھہرنا چاہتا ہو تو اسے [مسلمان] منع نہیں کریں گے۔ (مصنف ابن أبي شيبة (402/20) برقم (37996) عن البراء)

ان تمام مادوں میں تیسرا مادہ مسلمانوں کو سخت ناگوار گزرا اور وہ اس پر کچھ افسردہ دکھائی دیے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا تبصرہ فرمایا کہ: جو لوگ ہم میں سے ان کے پاس جائیں گے اللہ نے اسے اپنی رحمت سے دور کیا، اور جو لوگ قریش کے ہمارے پاس آئیں گے اور ہم انہیں واپس بھیجیں گے تو اللہ ان کے لیے ضرور کوئی راستہ نکالیں گے۔

مصنف ابن أبي شيبة (410/20) برقم (38006) عن المسور و مروان

معاہدے کے گواہان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معاہدے سے فارغ ہوئے تو دونوں جانب سے کچھ گواہان کے نام بھی معاہدے میں شامل کر لیے۔

مسلمانوں کی جانب سے (1) أبو بكر بن أبي قحافہ، (2) عمر بن الخطاب، (3) عبد الرحمن بن عوف، (4) سعد بن أبي وقاص، (4) عثمان بن عفان، (5) أبو عبيدة بن الجراح اور (6) محمد بن مسلمہ۔ جبکہ مشرکین مکہ کی جانب سے (1) حويطب بن عبد العزى، (2) مكرز بن حفص بن الأخيف کے نام گواہان کے طور پر معاہدے کے اوپر لکھ لیے گئے۔

(سیرۃ ابن إسحاق (ص 463) (المغازي للواقدي (ص 98) سیرۃ ابن هشام (238/3)

جب معاہدہ تحریر کیا جا چکا تو تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ اسے میں اپنے پاس رکھوں گا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا نہیں یہ میرے پاس رہے گا۔ آخر میں اصل معاہدے کی متن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس رکھی اور اس کی ایک نقل تیار کر کے سہیل کے حوالے کی۔ المغازي للواقدي (ص 98)

معاہدے کے بعد سورۃ الممتحنہ کی دوسویں آیت نازل ہوئی اور خواتین اس سے مستثناء قرار پائیں۔ خواتین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ ان کا مہر ان کے خاوندوں کے حوالے کیے جائے اور انہیں واپس نہیں بھیجا جائے گا۔

تبصرہ:

یہ صلح حدیبیہ کی اصل تصویر تھی۔ اگر ان مادوں اور ان سے ملحقہ باتوں پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتح تھی۔ قریش جو مسلمانوں کو کبھی برداشت نہیں کرتے تھے اور جزیرۃ العرب میں ان ہی کی سرداری کا سکہ چلتا تھا اس لیے وہ دعوت اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے تھے۔ اب جب وہ صلح پر آمادہ ہوئے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اب وہ مسلمانوں کی قوت کا اعتراف کر رہے ہیں اور مستقبل میں مقابلے کی سکت نہیں رکھتے۔

دوسرا مادہ اس بات کی دلیل ہے کہ قریش اب اپنی دینی اور دنیاوی زعامت کھو چکے ہیں۔ اب انہیں صرف اپنی فکر ہے۔ اب اگر تمام لوگ اسلام میں داخل ہو بھی جائیں تو انہیں کوئی پروا نہیں۔ پہلا مادہ بھی اس عظیم فتح کی نشانی تھی، کیوں کہ جنگ مسلمانوں نے شروع نہیں کی تھی بلکہ قریش نے شروع کی تھی۔ جنگ بندی کا معاہدہ اس تکبر اور غرور کی انتہا اور اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ جنہوں نے شروع کی تھی اب وہ کمزور ہو چکے ہیں۔

چوتھے مادے میں اس بات کی وضاحت کی گئی تھی کہ یہ مسجد حرام سے مسلمانوں کو روکنے کی آخری کوشش تھی۔ اور وہ بھی صرف اسی ایک سال تک۔ اس کے بعد پھر قریش میں یہ ہمت نہیں ہو گی کہ وہ کسی کو بیت اللہ جانے سے روک سکیں۔

قریش تیسرے مادے کو اپنے لیے اہم کامیابی سمجھتے تھے لیکن یہ ایک معمولی بات تھی اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جس میں مسلمانوں کے لیے نقصان ہو۔ کیوں کہ مسلمان جب تک اپنے دین پر قائم ہے وہ دین چھوڑ کر نہیں بھاگتا۔ اور اگر

خدانخواستہ وہ مرتد ہو جائے تو پھر مسلمانوں کو ایسے شخص کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب اسلامی لشکر میں اس کے رہنے سے اس کا علیحدہ ہونا بہتر ہوگا۔

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إنہ من ذھب منا إلیھم فابعدہ اللہ۔ رواہ مسلم ۔ جو ہم میں سے ان کے پاس جائے گا اسے اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر لیا۔ اور جو شخص مسلمان ہوا اور اس کے مدینے آنے کے راستے مسدود تھے، تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ جس وقت مدینہ منورہ میں کوئی مسلمان نہیں تھا کیا اس وقت حبشہ میں مسلمان نہیں رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ومن جاءنا منھم سیجعل اللہ فرجا ومخرجا۔ رواہ مسلم۔ جو لوگ ان میں سے ہمارے پاس آئیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کو نجات کا راستہ دکھائیں گے۔

مندرجہ بالا اقدامات اگرچہ قریش کی ظاہری کامیابی کو ظاہر کرتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ ان کی کمزوری اور ان کے کفری اتحاد کے زوال کا آغاز تھا۔ جیسے ان کو علم ہو چکا تھا کہ ان کے اقتدار کا سورج غروب ہونے کے قریب ہے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے قریش کو جو فوقیت معاہدے کے دوسرے مادے میں دی تھی کہ اگر کوئی مدینے سے مشرکین مکہ کے پاس آئے تو وہ اسے واپس نہیں بھیجیں گے اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھیوں پر پورا اعتماد تھا۔ اسی لیے اس قسم کی شرائط پر آمادہ ہوئے تھے۔ [الرحیق المختوم۔ ص۔ 353]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف:

صلح کی شرائط طے ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلال میں آگئے۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا" کیا ہم مسلمان نہیں؟ کیا ہم حق پر نہیں؟ انہوں نے جواب دیا" کیوں نہیں ہم مسلمان ہیں اور ہم ہی حق پر ہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں؟ جواب ملا کیوں نہیں، بے شک آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری سوال کیا" پھر ہم کیوں دین میں ان کے سامنے اتنا انحطاط کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا" دیکھو عمر یہ فیصلہ اللہ کے رسول کا ہے اس میں ضرور کوئی حکمت پوشیدہ ہوگی۔ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی لاج ضرور رکھیں گے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدھا حضور ﷺ کے پاس آئے اور وہی تین سوالات پوچھے جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہوں، اور اللہ میری بات ضائع نہیں کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو کر روانہ ہوئے۔

جب معاہدہ مکمل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف سفر کرنے لگے۔ راستے میں ضجنان نامی مقام پر پہنچے تو سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کے سامنے سورۃ الفتح کی تلاوت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ یہ فتح ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: جی ہاں یہ فتح ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سابقہ موقف کے بارے میں بہت پریشان رہتا تھا کہ اس سے اللہ کی پکڑ میں نہ آوں اس لیے میں نے بعد میں عبادات، صدقات بڑھادیے اور کئی غلام بھی آزاد کیے۔ ہم نہیں جانتے تھے بعد میں ہم پر یہ راز کھلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کتنا مفید ثابت ہوا۔

صلح حدیبیہ کے فوائد:

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسلام میں حدیبیہ سے بڑی فتح نہیں آئی۔ اس سے پہلے صرف جنگ ہوتی تھی۔ جیسے ہی صلح ہوئی اور جنگ بندی کا اعلان ہوا لوگ امن وسکون سے رہنے لگے اب ان کو ایک دوسرے سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لوگوں کی ایک دوسرے کے علاقوں میں آمد و رفت شروع ہوئی۔ مسلمانوں کو کئی لوگوں نے قریب سے دیکھا اور اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ ہر وہ شخص جو تھوڑی بہت سمجھ بوجھ رکھتا تھا ان سے جب اسلام کے بارے میں بات چیت ہوتی تو اسلام قبول کر لیتا۔ دو سالوں میں گزشتہ کئی سالوں سے زیادہ لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ: زہری کے بات کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ تک بقول حضرت جابر رضی اللہ عنہ 1400 صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ لیکن صرف دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا۔ [سیرۃ ابن ہشام۔ ج۔ 3۔ ص 241]

ابو بصیر کا قصہ:

معاہدے کے بعد ابو بصیر رضی اللہ مدینہ آئے تو مشرکین کو خبر ہوئی اور دو افراد کو ان کے پیچھے بھیج دیا کہ انہیں واپس مکہ لائیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے

ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے کیا اور چلنے کو کہا۔ راستے میں وہ آرام کی غرض سے ٹھہر گئے، تو ابو بصیر نے ان میں سے ایک سے کہا کہ آپ کی تلوار بڑی خوبصورت ہے کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟ اس نے تلوار ابو بصیر کے حوالے کی تو ابو بصیر نے تلوار سے اس شخص کو قتل کیا جبکہ دوسرا جو اس مقتول کا غلام تھا بھاگ کھڑا ہوا اور واپس مدینہ آیا۔ عصر کا وقت تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ یہ غلام سیدھا مسجد کے اندر گیا اور مدد کی درخواست کی کہ میرے ساتھی کو قتل کیا گیا اور اب مجھے بھی قتل کرنے کا ارادہ ہے۔

اتنے میں ابو بصیر بھی پہنچ گئے ان کے پاس عامری کی تلوار تھی اور اس کے اونٹ پر سوار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جب ان پر نظر پڑی تو فرمایا: یہ تو بڑا آگ لگانے والا شخص ہے، اگر اس کے پاس کچھ آدمی ہوں۔ ابو بصیر نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ نے تو معاہدے کے مطابق اپنا فرض ادا کر لیا لیکن میں خود کو بچانے میں کامیاب رہا۔ یہ رہی اس مشرک سے لی گئی غنیمت اس میں سے خمس الگ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر میں اس غنیمت کو تقسیم کروں گا تو یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی۔ آپ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں پھر آپ کے پیچھے مشرکین کسی کو بھیج دیں۔

بیہقی کے مطابق ابو بصیر پانچ اور ساتھیوں کے ساتھ جو مکہ سے آئے تھے مدینہ کے مغرب میں واقع ساحل سمندر کے ساتھ العیص نامی مقام پر گئے۔ یہ شام اور مکے کے راستے میں واقع پہاڑی علاقہ ہے۔ یہاں جنگلات اور آبشاریں بھی ہیں۔ یہاں انہوں نے اپنا معسکر بنایا اور کفار کے ان قافلوں پر گھات لگا کر حملے کرنے لگے جو مکہ سے شام کی طرف جاتے تھے۔ واقدی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ کے مسلمانوں کو خط بھیجا کہ مدینہ کی بجائے العیص نامی علاقے آتے رہے اور ابو بصیر کی مدد کریں۔

ابو بصیر کے ساتھ مکہ اور ملحقہ علاقوں کے تقریبا تین سو افراد یکجا ہوئے۔ یہ سب یہاں رہتے اور ابو بصیر کی رہنمائی میں کفار کے قافلوں پر حملے کرتے۔ آخر کار مشرکین مکہ ان حملوں سے اتنے تنگ ہوئے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا ایک وفد بھیجا اور کہا کہ العیص سے مسلمانوں کو مدینہ بلا لیا جائے ہم معاہدے کی اس شرط سے دستبردار ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کو خط لکھا۔ جب خط ان کے پاس پہنچا تو اس وقت سخت علیل تھے۔ ساتھیوں نے خط انہیں دیا وہ خط آہستہ آہستہ پڑھتے جا رہے تھے کہ اسی اثناء میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ساتھیوں نے انہیں وہاں دفن کیا اور ان کی قبر کے ساتھ ایک مسجد تعمیر کی اور باقی ساتھی مدینہ منورہ تشریف لائے۔ [دلائل النبوۃ للبیہقی [ج۔3۔133] المغازی للواقدی/ص/109]

معاہدہ دوحہ:

بالآخر 19 سالہ طویل جنگ کے بعد امریکا امارت اسلامیہ کے ساتھ دوحہ میں معاہدہ کرنے پر مجبور ہوا۔ امریکا کو پہلے سے ہی اپنی ناکامی کا یقین تھا۔ لیکن کوشش ان کی یہ تھی کہ ان کے ہاتھوں تشکیل پانے والی کابل انتظامیہ کو امارت اسلامیہ سے ایک حکومت کے طور پر تسلیم کروائیں اور پھر ان کے ساتھ ہی امارت اسلامیہ مذاکرات کے لیے بیٹھ جائے۔ لیکن ان کا یہ مشن ناکام ہوا اور بالآخر 29 فروری 2020ء کو قطر کے دار الحکومت دوحہ شیراٹن ہوٹل میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔ جس میں امریکا نے اپنی ناکامی کا اعتراف اور افغانستان سے مکمل انخلاء کی یقین دہانی کروائی۔ اس معاہدے پر مسلمانوں کی جانب سے امارت اسلامیہ کے سیاسی رہبر ملا عبدالغنی برادر جبکہ امریکا کی جانب سے امریکا کے وزیر خارجہ مائک پومپیو کی موجودگی میں ان کے نمائندے زلمی خلیل زاد نے دستخط کیے۔ اس معاہدے کے اہم مادے یہ ہیں:

ا۔ امریکا سے متعلق:

امریکا یہ عہد کرتا ہے کہ، امریکا اور ان کے اتحادیوں کی تمام مسلح فوجیں، تمام غیر سفارتی عملہ، انفرادی سیکورٹی کے غیر مسلح افراد، فوجی ٹرینرز، مشیران اور بنیادی سروسز فراہم کرنے والے عملے سمیت اس معاہدے کے اعلان کے 14 ماہ کے اندر افغانستان سے نکل جائیں گے۔

۲۔ قیدیوں کی رہائی سے متعلق:

امریکا اعتماد کی فضاء بحال کرنے کے لیے ایک اقدام کے طور پر تمام جانبین کی ہم آہنگی اور تائید کے ساتھ ایک ایسے پلان پر کام کرے گا جس میں جنگی اور سیاسی قیدی جلد از جلد رہا کیے جائیں گے۔ 5 ہزار امارت اسلامیہ کے قیدی جبکہ 1 ہزار افغان فورسز کے قیدی 10 مارچ 2020ء تک رہا کیے جائیں گے۔ تاکہ 10 مارچ کو بین الافغانی مذاکرات شروع کیے جا سکیں۔ دونوں فریق یہ عہد کرتے ہیں کہ

اس کے بعد تین ماہ کے اندر باقی قیدی بھی رہا کیے جائیں گے۔امریکا اس اقدام کی تکمیل کا وعدہ کرتا ہے۔امارت اسلامیہ یہ عہد کرتی ہے کہ ان کے رہا ہونے والے قیدی معاہدے کے مطابق امریکا اور اس کے اتحادیوں کی سیکورٹی کے لیے خطرہ نہیں بنیں گے۔

۳: امارت اسلامیہ کے رہنماوں پر بین الاقوامی پابندیاں:

بین الافغانی مذاکرات کے آغاز کے ساتھ ہی امریکا امارت اسلامیہ کے رہنماوں کے خلاف امریکی پابندیوں، اور ان کے سروں پر مقرر کردہ انعام کے بارے میں دیے گئے نوٹفکیشن پر نظر ثانی کرے گا اور یہ پابندیاں 16 اگست 2020ء تک ہٹالی جائیں گی۔

بین الافغانی مذاکرات کے آغاز کے ساتھ ہی امریکا، اقوام متحدہ کے سیکورٹی کونسل اور اس کے اراکین افغانستان سے امارت اسلامیہ کے رہنماوں کے نام 17 مئی 2020 ءتک بلیک لسٹ سے نکالنے کے لیے سفارتی کوششیں کریں گے۔

۴: افغانستان پر دوبارہ جارحیت نہ کرنے کی یقین دہانی:

امریکا اور اس کے اتحادی افغانستان کی زمین خود مختاری اور سیاسی خود مختاری کے خلاف فوجی اور سیاسی مداخلت نہیں کریں گے۔اور نہ وہ افغانستان کے داخلی امور میں مداخلت کرنے کے مجاز ہوں گے۔

۵۔امارت اسلامیہ سے متعلق حصہ:

امارت اسلامیہ سے متعلق معاہدے میں چار باتیں ذکر کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ: طالبان امریکا کے لیے مستقبل میں خطرہ نہیں بنیں گے اور نہ افغانستان میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت دیں گے جو امریکا کے لیے خطرہ ہوں۔ متن کے مطابق:

ا۔امارت اسلامیہ افغانستان اپنے کسی رکن یا القاعدہ کے کسی رکن کو اجازت نہیں دے گی کہ افغانستان کی سرزمین امریکا کے خلاف استعمال کرے۔

۲۔امارت اسلامیہ افغانستان ایک واضح پیغام جاری کرے گی جس میں کہا جائے گا کہ ہر وہ شخص جو امریکا کے خلاف ہماری سرزمین استعمال کرنا چاہتا ہو اس کے لیے افغانستان میں کوئی جگہ نہیں۔امارت اسلامیہ اپنے ارکان کو ہدایت دے گی کہ ان افراد اور تنظیموں سے تعلق نہ رکھیں جو امریکا اور اس کے اتحادیوں کی سیکورٹی کو چیلنج کرتے ہوں۔

۳۔ امارت اسلامیہ افغانستان معاہدے میں کیے گئے وعدوں کے مطابق افغانستان میں امریکا اور اس کے اتحادیوں کی سیکورٹی کے لیے خطرہ بننے والے ہر فرد اور تنظیم کی راہ روک لے گی۔اس کی تربیت اور مالی امداد پر پابندی ہو گی۔

۴۔امارت اسلامیہ افغانستان یہ وعدہ کرتی ہے کہ وہ لوگ جو افغانستان میں پناہ لینا یا یہاں مستقل رہنا چاہتے ہیں ان کے ساتھ مہاجرین کے بین الاقوامی قوانین اور معاہدے میں بیان کیے گئے نکات کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔تاکہ یہ لوگ امریکا اور اس کے اتحادیوں کی سیکورٹی کے لیے خطرہ نہ بنیں۔

امارت اسلامیہ افغانستان، افغانستان آنے کے لیے کسی ایسے فرد کو ویزہ اور پاسپورٹ جاری نہیں کرے گی، جو امریکا اور اس کے اتحادیوں کی سیکورٹی کو چیلنج کرتا ہو۔

اختتام:

امارت اسلامیہ کی بین الاقوامی حیثیت اور مستقبل:

امریکا اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل سے اس معاہدے کی رو سے امارت اسلامیہ افغانستان کی بین الاقوامی حیثیت تسلیم کرے گی۔

امریکا اور امارت اسلامیہ ایک دوسرے کے ساتھ مثبت تعلقات کے خواہاں ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ بین الافغانی مذاکرات کے بعد ان کے تعلقات افغانستان کی نئی اسلامی حکومت کے ساتھ بھی مثبت اور برقرار رہیں۔

۲۔امریکا بین الافغانی مذاکرات کے بعد نئی اسلامی حکومت میں تعمیر نو اور ترقی کے لیے معاشی امداد دے گا۔اور افغانستان کے داخلی امور میں مداخلت کرنے کا مجاز نہیں ہوگا۔ معاہدے پر دستخط قطر کے دارالحکومت دوحہ میں ۵/رجب/۱۴۴۱ھ بمطابق 29 فروری 2020ء کو ہوئے۔

گواہان: اس تقریب میں خطے کے تیس ممالک کے نمائندوں، بین الاقوامی اور علاقائی تنظیموں کے ارکان نے شرکت کی جن میں امریکا، پاکستان، ازبکستان، انڈونیشیاء، ترکی اور ناروے کے وزرائے خارجہ، افغانستان کے لیے اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے اور یوناما کے سربراہ تاداميچی یاماموتو، افغانستان کے لیے جرمنی کے خصوصی نمائندے مارکس پوٹزل، برطانیہ کے خصوصی نمائندے

گارث بائلی، روسی نمائندہ خصوصی ضمیر کابلوف اور قطر کے وزیر خارجہ شیخ محمد عبدالرحمٰن قابل ذکر ہیں۔

تبصرہ:

طالبان نے امریکا سے اپنے پانچ مطالبات منوالیے۔ جن میں ہر ایک کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ جن میں امریکی افواج کا انخلا اور قیدیوں کی رہائی سب سے اہم ہیں۔ پابندیاں ہٹانے والا نکتہ بھی بہت قیمتی ہے۔ صرف یہ نہیں کہ پابندیاں ہٹیں گی بلکہ امریکا خود اقوام متحدہ کو اس بات پر راضی کرے گا کہ پابندیاں ہٹائی جائیں۔ پہلی بات کا منوانا امریکا کی کھلی شکست کے مترادف ہے اور دوسری بات اس کی دلیل ہے کہ امارت اسلامیہ کے رہنماؤں کو اپنی ذات سے زیادہ اپنے قیدی ساتھیوں کی فکر ہے۔ اور ان کی رہائی کے لیے ہر ممکن وسیلہ بروئے کار لارہے ہیں۔

تیسری بات امریکا کی جانب سے ماضی میں اپنی غلطی اکا اعتراف ہے۔ کیوں کہ جن طالبان رہنماؤں پر ماضی میں اس نے پابندیاں لگائی تھیں اب ان کو دور کرنے کے لیے تگ ودو میں لگا رہے گا۔ یہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اب اس کا غرور خاک میں مل چکا ہے اور مزید جنگ کی سکت نہیں رکھتا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ امریکا نے اپنی شکست کا اعتراف کیا، اسلامی حکومت کے وجود کو بھی تسلیم کیا، لیکن اسے فکر ہے تو اپنی جان کی ہے کہ اسے یہ باور کرایا جائے کہ یہاں سے اسے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکا افغانستان کی آنے والی مستقبل کی اسلامی امارت کو ایک مضبوط حکومت سمجھتا ہے، اس وجہ سے خوفزدہ ہے۔

امارت اسلامیہ سے متعلق ذکر کیے گئے مادوں میں ایک بات تفصیل طلب ہے اور وہ یہ کہ معاہدے میں جہاں بھی امارت اسلامیہ کا نام آیا وہاں اس بات کا بھی اضافہ کیا گیا "امارت اسلامیہ جسے امریکا ریاست تسلیم نہیں کرتا بلکہ انہیں طالبان کے نام سے جانتا ہے"۔

یہ بالکل صلح حدیبیہ کے اس مادے کا اعادہ ہے جس میں مشرکین مکہ نے حضرت محمد ﷺ کے مبارک نام کے ساتھ "رسول اللہ" لکھنے کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ صرف محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو معاہدے کے محرر تھے اس انحطاط کے لیے راضی نہیں تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے جب ان سے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ وہ ہمیں نہیں مانتے۔ لکھو محمد بن عبداللہ۔

ایک اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ "افغانستان میں ہر شخص کا داخلہ ممنوع ہوگا جو امریکا کے لیے خطرہ ہو"۔

یہ بات اپنوں پر بھاری اور شاید اپنوں کی طرف سے اعتراض کا سبب بنے۔

ہم نے صلح حدیبیہ کے تمام مادوں کا ذکر کرلیا ہے۔ ان میں سے ایک مادہ تقریباً اسی طرح ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس مادے سے بھی زیادہ سخت اور بھاری محسوس ہوتا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ: اگر کفار کی جانب سے کوئی مسلمانوں کے پاس آئے گا تو مسلمان اسے واپس بھیج دیں گے اور اسے اپنے یہاں قیام کی اجازت نہیں دیں گے۔ اور اگر کوئی شخص مسلمانوں میں سے کفار کے پاس جائے گا تو کفار اسے واپس مسلمانوں کے پاس نہیں بھیجیں گے۔

یہ بات اس وقت بھی مسلمانوں کے لیے باعث تعجب تھی لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں مختصر تبصرہ کیا اور فرمایا: جو ہم سے ان کے پاس جائے گا وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔ اور جو شخص ان میں سے ہمارے پاس آئے گا تو اللہ ضرور ان کے لیے کوئی راستہ بنائے گا۔

بعد میں ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں نے ثابت کیا کہ مدینہ سے باہر بھی مسلمان زندگی گزار سکتے ہیں۔ بلکہ ابوبصیر کا معسکر اتنا مضبوط ہوا کہ بعد میں کفار حضور ﷺ سے درخواست کرتے رہے کہ ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ بلالو ہم اس مادے سے دستبردار ہوتے ہیں۔

یہاں بھی تاریخ خود کو دہرائی گی۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ دنیا کے مسلمان، اسلام پسند تحریکوں کے افراد صرف امارت اسلامیہ کی کامیابی پر آرام سے نہیں بیٹھیں گے بلکہ دنیا کے ہر کونے میں جہادی معسکرات کا آغاز ہوگا۔ اور ابوبصیر کی طرح کئی دور دراز علاقے عظیم جہادی معسکرات میں تبدیل ہوجائیں گی۔ جہاں سے آزادی اور اسلامی نظام کے نفاذ کی تحریک چلے گی۔ جس سے دو فائدے ہوں گے۔ پہلی یہ کہ اسلامی اور جہادی تحریکوں کے نام پر کئی محاذ کھلیں گے۔ جس کی وجہ سے کفری اتحاد کی توجہ تقسیم ہوگی۔

دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ امارت اسلامیہ افغانستان پر بیرونی دنیا کا دباؤ کم ہوجائے گا۔ اور افغانستان ایک اسلامی ماحول میں جلد ترقی کرجائے گا۔

قابض افواج کا انخلا اور اشرف غنی کی گھبراہٹ

معین احمد معین

جون کا مہینہ جو پچھلے سالوں میں سال کے دوسرے مہینوں کی نسبت اس میں طالبان اور امریکی افواج کے درمیان شدید جھڑپیں ہوتی تھیں، اب اس میں جھڑپوں کے بجائے افغانستان سے امریکی فوجیوں کے انخلا کے مہینے میں بدل گیا ہے۔

مشہور امریکی چینل سی این این نے دو اعلی امریکی حکام کے حوالے سے رپورٹ شائع کی کہ ٹرمپ انتظامیہ افغانستان سے چار ہزار مزید امریکی فوجیوں کے انخلا پر غور کر رہی ہے اور منصوبے کو حتمی شکل دی جا رہی ہے۔

اس سے قبل امریکی سنٹرل کمانڈ کے کمانڈر جنرل کینتھ میکنزی نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ نے دوحہ امن معاہدے کے تحت افغانستان میں اپنے فوجی دستوں کی تعداد 12000 سے کم کر کے 8600 کر دیا۔ میکنزی کے مطابق اگر حالات ٹھیک ہوئے تو امریکہ افغانستان میں مکمل فوجی انخلا کے لئے تیار ہے۔

امریکہ اور طالبان کے مابین طے پانے والے معاہدے کے مطابق جولائی کے وسط تک امریکہ کو اپنے فوجی دستوں کی تعداد کو 8600 تک کم کرنا چاہئے اور 14 ماہ کے اندر اندر تمام غیر ملکی افواج کا انخلا مکمل کرنا چاہئے۔

افغانستان سے امریکی فوجیوں کے انخلا کی رپورٹ ایک ایسے وقت میں دی جا رہی ہے جب کابل حکومت کے سربراہ اشرف غنی غیر ملکی افواج کے فوری انخلا سے پریشان ہیں، ان کا کہنا ہے کہ فوری انخلا افغانستان اور امریکہ دونوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔

انہوں نے حال ہی میں ٹی ای ڈی چینل کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں دعویٰ کیا تھا کہ امریکی فوجیوں کے فوری انخلا سے افغانستان سے زیادہ امریکہ کے لئے نقصان ہوگا۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ افغانستان سے غیر ملکی افواج کا قبل از وقت انخلا امن عمل کے لئے نقصان دہ ہوگا اور افغانستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے امریکیوں کو آہستہ آہستہ افغانستان سے انخلا کرنا چاہئے۔

تاہم اشرف غنی کے خدشات کے برخلاف غیر ملکی مداخلت خاص طور پر فوجی جارحیت افغانستان میں جنگ اور عدم استحکام کی ایک بڑی وجہ رہی ہے اور اس مداخلت کی سطح میں جتنی جلدی کمی واقع ہوگی، امن کے امکانات زیادہ ہوں گے۔

اگر واقعی جیسا کہ امریکی جرنیل کہتے ہیں، ان کے چار ہزار فوجی شیڈول سے 25 دن پہلے افغانستان سے نکل جاتے ہیں تو یہ امریکیوں کی جانب سے افغانستان میں امن لانے کے لئے اٹھائے گئے اقدامات میں سے سب سے اہم اور عملی اقدام ہوگا۔

امن معاہدے کے دیگر تائید کنندگان، نیٹو اور اقوام متحدہ کو اس کے مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے معاہدے کی توثیق اور تکمیل کے علاوہ مثبت بیانات دینے کی بھی ضرورت ہے۔ کچھ متعصب حلقوں کی منشاء پر امن معاہدے کو سبوتاژ کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

کابل انتظامیہ کا اعتماد قابض افواج کی موجودگی پر ہے، اس لئے وہ غیر ملکی افواج کے فوری انخلا کے مخالف ہے۔ کیوں کہ یہ غیر ملکی افواج ہی تھیں جنہوں نے افغانستان میں کابل حکومت کے مسلط کرنے میں غیر قانونی طور پر سہولت فراہم کی۔

اگر غیر ملکی افواج افغانستان سے چلی جاتی ہیں تو ان کے ٹینکوں اور طیاروں میں آنے والے مغرب نواز عناصر کے لئے یہاں ٹھہرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

لہذا انہوں نے ہمیشہ افغانستان میں غیر ملکیوں کی موجودگی کو ضروری سمجھا ہے اور ان کا انخلا افغانستان اور امریکہ کے لئے نقصان دہ قرار دیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ افغانستان سے غیر ملکی افواج کا انخلا اور افغانستان پر قبضہ ختم کرنا افغانستان کے لئے نقصان دہ ہے اور نہ ہی امریکہ کے لئے بلکہ یہ انخلا افغانستان اور مجموعی طور پر خطے کے استحکام اور سلامتی کے لئے سنگ میل ثابت ہوگا۔

طالبان کی اخلاقی برتری کا اعتراف

سید عبدالرزاق

عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے "والفضل ماشہدت بہ الاعداء"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل کارنامہ یہ ہے جس کے دشمن بھی تعریف کرے۔دین اسلام اور اس کے متبعین کو یہ فضیلت روزِ اول سے حاصل رہی ہے۔مکہ کے مشرکین سے اسلام اور اسلامی ملت کے رکھوالوں کا زیادہ دشمن کون ہو گا؟ لیکن یہی دشمن جب قیصرِ روم کے سامنے پیش ہوتے ہیں، قیصر روم سوال کرتا ہے کہ کیا اسلام کو کسی نے قبول کرنے کے بعد نفرت سے کبھی چھوڑا ہے؟ تو یہی دشمنا عتراف کرتے ہیں کہ اسلام دین ہی ایسا ہے جس میں ایک دفعہ داخل ہونے کے بعد نفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عراق، مصر اور آس پاس کے عجم جہاں مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے وہیں ان کی تہذیب، ثقافت، زبان اور کلچر بھی عرب مسلمانوں سے ملاپ نہیں کھاتے تھے۔لیکن دین و کلچر، عقیدہ ومذہب اور زبان ونسب کے اس قدر شدید فرق کے باوجود جب مسلمان ان کے ہاں آئے اور اپنی الفت و محبت کا ان کے سامنے اظہار کیا، اپنی سوچ اور دین کی وسعت ان کے سامنے رکھی تو یہی دشمن ان کے پیروکار بن گئے۔پیروکار بھی اس ادا سے بنے کہ آج انہیں عجم کو دنیا صرف اور صرف عرب کے نام سے جانتی ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس وقت مسلم امہ کے دو عظیم ممالک انڈونیشیا اور ملائیشیا کسی جنگ اور زور آزمائی یا طاقت اور قوت کے ذریعہ اسلام کے احاطہ میں داخل نہیں ہوئے۔اسلام کے ساتھ ان کا تعلق ان چند مسلم باشندوں کی برکت سے بندھا ہے جو یہاں تجارت کی غرض سے آئے تھے اور اپنی بہترین ایمانی صفات کی وجہ سے ان پر اپنی چھاپ اس طرز سے چھوڑی کہ آج انہیں کو عددی اعتبار سے مسلم دنیا میں اپنا ایک بلند مقام حاصل ہے۔

کسی تاریخ میں یہ بات درج نہیں ہے کہ مسلمان طاقت، وسائل اور سازوسامان میں سکندر اور دارا سے زیادہ تھے۔ کوئی مورخ یہ نہیں لکھتا کہ مسلمانوں کی فوج تعداد اور اسلحہ میں ہرقل اور کسریٰ کی فوج سے زیادہ تھی لیکن ایک بات پر دنیا کے مسلم اور غیر مسلم مورخین سب متفق ہیں کہ دارا ہو یا سکندر، قیصر ہو یا کسریٰ کسی نے اپنی مفتوح قوم پر اتنا اثر نہیں چھوڑا جتنا مسلم اقوام نے انہیں متاثر کیا۔

ابتدائے دور اور تاریخ کی کیا بات کریں موجودہ دور میں چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اسلام اور اس کے سچے متبعین میں ایمان و عمل کا وہی آب وتاب نظر آتا ہے۔اس آخری دور میں جب امارتِ اسلامیہ کے علمبردار اور فرزندانِ توحید نے اسلام کو حقیقی معنوں میں سینے سے لگایا اور کماحقہ عمل کرنے کی کوشش کی تو یہاں بھی اغیار انہیں تسلیم کرنے سے کبھی نہیں ہچکچائے۔

امارتِ اسلامیہ کے دشمنوں نے تو اس حد تک تگ ودو کی کہ انہیں بہر حال انسانیت دشمن اور درندہ صفت باور کرایا جائے۔ رحمدلی کی صف سے ہی انہیں نکال دیا جائے۔اس مقصد کے لیے جو ان سے بن پڑا کسی بھی طرح اس میں کوتاہی نہیں ہونے دی۔مگر فرزندانِ توحید کے مثبت رویہ کی برکت سے خود انہیں دشمنوں کی صفوں سے ان کی تعریف کرنے والے ملے۔

ایوان ریڈلے ایک برطانوی خاتون صحافی ہے۔2001 میں وہ اپنے ادارہ کے لیے رپورٹنگ کے سلسلہ میں پاکستان سے ہوتے ہوئی افغانستان چلی گئی۔چونکہ طالبان کا تصور ان کے ذہن میں جاری پروپیگنڈوں کی وجہ سے کسی چیر پھاڑ کر دینے والے جانور کے تصور سے کم نہیں تھا اس لیے وہ بھیس بدل کر چلی۔پر خدا کا کرنا کہ اس کے باوجود وہ طالبان کے ہاتھوں گرفتار ہوئی۔ دس دن جیل میں گزارے اور پھر رہا ہوئی۔ رہائی کے بعد انہوں نے اپنی سر گزشت لکھی۔اس سر گزشت میں انہوں نے طالبان کے رویہ کی جو تعریف کی وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔خود اس حد تک متاثر ہوئی تھی کہ اپنا سابقہ دین چھوڑ کر مسلمان ہو گئی اور اپنا نیا نام مریم رکھا۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسان سب کچھ چھوڑ سکتا ہے مذہب پر

کبھی کوئی سمجھوتا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔اب جو مریم صاحبہ نے اتنا بڑا اقدام اٹھایا اور خود اسی کے بقول یہ طالبان کے رویہ سے متاثر ہو کر اٹھایا تو یہ بلاشبہ دشمن کی جانب سے ایک اتنا زبردست اعتراف ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

2014 میں ایک امریکی جنرل بو بریگڈال طالبان کی قید سے پانچ قیدیوں کے بدلہ رہا ہوا۔موصوف نے کئی سال طالبان کی جیل میں گزارے تھے۔جب امریکا پہنچے اور مختلف میڈیا چینلز نے ان سے انٹرویو لیا تو ہر ہر انٹرویو میں وہ امارتِ اسلامیہ کے اہلکاروں کے بارے میں، ان کے رویہ کے بارے میں، ان کے بود باش، طرز و طریقہ، قیدیوں کے ساتھ سلوک اور زندگی کی ضروریات مہیا کرنے میں رطب اللسان نظر آیا۔شنید ہے کہ اسی حق گوئی کی بدولت اسے نظروں سے اوجھل کر دیا گیا۔لیکن ایک حقیقت سامنے آگئی کہ طالبان وہ نہیں جو دکھائے جاتے ہیں بلکہ وہ ہیں جن کو یہ دشمن بیان کرتا ہے۔

2019 کے اواخر میں طالبان نے اپنے تین قیدیوں کے بدلہ دو پروفیسروں کو رہا کر دیا جن میں ایک کا تعلق امریکا اور دوسرے کا آسٹریلیا کے ساتھ تھا۔کیون کنگ اور ٹموتھی ویکس نامی یہ دونوں پروفیسر جب رہا ہوئے اور اپنے لوگوں کے پاس پہنچے تو ان کی زبان سے پہلا جملہ جو نکلا وہ طالبان کے مثبت رویہ کے بارے میں تھا۔ یہ دونوں عمر رسیدہ تھے۔ صحت ان کی ہمیشہ بگڑی رہتی تھی لیکن طالبان نے انہیں اپنے ناپید وسائل کے باوجود کبھی اس احساس میں مبتلا نہیں ہونے دیا کہ ان کی صحت پر درست توجہ نہیں دی جارہی۔امریکی پروفیسر کو تو حسبِ سابق بولنے کا زیادہ موقع نہیں دیا گیا البتہ ٹموتھی ویکس نے کئی دفعہ اعترافِ حق کیا اور طالبان کی حکومت دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ایک ٹی وی چینلز کو انٹرویو دیتے وقت یہ بھی کہا کہ طالبان کی حکومت قائم ہو جائے تو وہ افغانستان میں پڑھانے کی دلی تمنا رکھتا ہے۔انتیس فروری کے تاریخ ساز معاہدہ میں شوق سے شرکت کی اور لحہ بہ لحہ اپنی تاثرات کا اظہار کرتا رہا۔گزشتہ دنوں جب امارت اسلامیہ کے قطر دفتر کے ترجمان محمد سہیل شاہین صاحب کے والد کا انتقال ہوا تو انہوں نے بڑا رقت آمیز پیغام جاری کیا اور جناب سہیل شاہین کی تعزیت کی۔کہا جارہا ہے کہ اب مسلمان بھی ہو گیا ہے اور اپنا اسلامی نام جبرئیل رکھا ہے۔

ایوان ریڈلے ہو، بو بریگڈال ہو یا پھر ٹموتھی ویکس اور کیون کنگ ان سب میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ یہ طالبان کے ہاں قیدی کی حیثیت سے وقت گزار کر آئے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ قیدی جن کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اسے وہاں کی اچھائیاں بھی سخت بری لگتی ہیں، اسے آب و ہوا سے لے کر اپنے مالک تک ہر ایک چیز سے سخت نفرت ہوتی ہے۔اسے قید کرنے والوں کی تعریف دوسروں کی زبان سے بھی برداشت نہیں ہوتی۔اپنے دشمن کو وہ دنیا کے سب سے ناپسندیدہ لوگوں میں قرار دیتا ہے۔قیدی حق پر ہو یا باطل پر بہر کیف قید کرنے والوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کرتا ہے۔رویہ اس کے ساتھ رحمدلی کا پیش آیا ہو یا جبر و تشدد کا وہ ہر صورت اسے ظلم و ستم سے تعبیر کرتا ہے۔

اس پر مزید یہ کہ جب جانبِ مقابل کو دنیا نے ظلم، وحشت اور درندگی و خونخواری جیسی نازیبا صفات سے تشہیر بھی دے رکھی ہو۔لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔یہ چاروں قیدی ہیں اور اپنے سب سے بڑے دشمن کے قبضہ میں ہیں۔خود انہیں بھی اپنے بارے میں کسی ہمدردی کی بدگمانی نہیں ہے لیکن اسلام کے یہ سچے متبعین ان کے سامنے ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں۔جو ان کے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا اسے حقیقت بنا کر پیش کر دیتے ہیں تب ہی یہ بھی اسی حقیقت کا اعتراف اپنے قول و عمل سے کر دیتے ہیں۔ صرف اعتراف نہیں بلکہ ان کی حقانیت کو ببانگ دہل بیان کرتے ہیں۔انہیں کا روپ اپناتے ہیں۔ان کے عقیدے سے ہم آہنگ ہوتے ہیں اور اپنے اس عمل سے امارتِ اسلامیہ کے خلاف ہونے والے تمام منفی پروپیگنڈوں کو بالکل مسترد کرتے ہیں۔

قیدیوں کی طرف سے یہ تحسین و تائید جہاں امارتِ اسلامیہ کے مثبت رویہ اور اخلاقی برتری کی دلیل ہے وہیں ان مفاد پرست اور پرائی ایجنڈے کے لیے ست کھپانے والوں کے لیے مقامِ عبرت بھی ہے۔جو لوگ یہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ امارت اسلامیہ میں عورتوں کو حقوق نہیں ملیں گے، میڈیا کی آزادی ختم ہو جائے گی، وغیرہ وغیرہ۔انہیں سوچنا چاہیے کہ جو لوگ اپنے دشمن کے ساتھ یہ رویہ رکھتے ہیں جس کی بدولت ان کے دلوں کو فتح کرتے ہیں کیا ان سے ایسی بے جا الزامات کی توقع کی جاسکتی ہے؟

لداخ کا واقعہ اور بڑی جنگ کے خدشات

شہید زادہ

محترم قارئین کے علم میں ہوگا کہ کچھ روز قبل چین اور بھارت کے سرحدی علاقے لداخ میں بھارتی فوجی چین کی سرحد میں داخل ہوئے۔ چین نے اسے چینی فوجیوں پر حملہ قرار دیا۔ چینی فوجیوں نے جوابی کارروائی میں ایک افسر سمیت 20 بھارتی فوجی مار دیے۔ جس سے بھارتی فوج پسپائی پر مجبور ہوگئی۔ بھارت نے پہلے اپنے تین فوجیوں کی ہلاکت کو تسلیم کیا تھا مگر پھر کہا تھا کہ 17 فوجی زخمی ہوئے تھے جو شدید سردی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ لداخ واقعے کے حوالے سے چین کی وزارت خارجہ کی جانب سے جاری کردہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ واقعے سے دو روز قبل بھی سرحد عبور کرکے آئے تھے اور جنگ چھیڑنے کے لیے انہوں نے فائرنگ بھی کی تھی۔ چینی حکومت نے بھارت سے درخواست کی تھی کہ اپنی فوج کو روکے اور اشتعال انگیز کارروائیوں سے احتراز کرے۔

چین اقتصادی، عسکری اور سیاسی لحاظ سے دنیا کا سب سے زیادہ ترقی کرنے والا ملک ہے۔ اس کی یہ تیز رفتار ترقی مغربی دنیا خصوصا امریکا کے لیے خوف کا باعث بن چکی ہے۔

چین آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کا جغرافیہ بہت بڑا ہے۔ عسکری لحاظ سے یہ دنیا کی بڑی طاقتوں کی صف میں ہے۔ اس کی اقتصادی ترقی سب سے تیز ہے۔ مگر ان سب کے باوجود کبھی اس نے پڑوسی یا خطے کے کسی ملک کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیوں کہ چین کسی ملک کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کرتا نہ آسانی سے کسی عسکری معاملے میں کودتا ہے۔ بلکہ اپنی صنعت، زراعت اور تجارت کو بڑھاوا دے رہا ہے۔ پوری دنیا سے اچھے تعلقات کے ذریعے اپنی سستی مصنوعات کے لیے مارکیٹیں ڈھونڈ رہا ہے۔

چین جہاں سارا نظام کیمونسٹ ہے اور خود جمہوریت کا زیادہ پاسدار نہیں ہے اس لیے امریکا اور دیگر مغربی ممالک کی دوسروں کے آگے طرح زیادہ جمہوریت کے راگ بھی نہیں الاپتا۔ نہ کسی کے خلاف عسکری جارحیت کے لیے انسانی حقوق کا بہانہ بناتا ہے۔

چین کے اندر حکومت کی جانب سے مسلمانوں کے ساتھ جو برا سلوک کیا جاتا ہے وہ بہت دردناک اور تکلیف دہ ہے۔ مگر چونکہ چینیوں کا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ ان کی اکثریت دہریہ ہے اس لیے چین مذہب کی بنیاد پر بیرونی دنیا میں کسی سے دوستی یا دشمنی نہیں کرتا۔ بیرونی دنیا کے مسلمان مطمئن ہیں کہ چین ہماری ثقافت اور کلچر کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ نہ اب تک ایسے کسی جرم کا ارتکاب سرزد ہوا ہے اس سے جسے بیرونی دنیا میں اسلام دشمنی سے تعبیر کیا جائے۔

یہ بہت اچھی بات ہے کہ چین کی پالیسی امریکا اور دیگر مغربی غاصب ممالک کی طرح نہیں ہے۔ اگر اس کی خارجہ پالیسی امریکا اور دیگر مغربی ممالک کی طرح ہوتی تو ہمارے جیسے چھوٹے ممالک کے لیے ان کا پڑوسی ہونا بہت خطرناک اور مخدوش ہوتا۔ پڑوسیوں سمیت کوئی بھی کمزور ملک اس کے شر سے محفوظ نہ ہوتا۔ دیگر ممالک کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت اور کمزور ممالک پر جارحیت نہ کرنا اس ملک کی مثبت سیاست کا دلچسپ پہلو ہے۔

مگر چونکہ چین کی ہمہ پہلو ترقی مغرب اور خصوصا امریکا کے لیے قابل برداشت نہیں اور اسے اپنی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے اس لیے وہ چین کے لیے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ چین کے پڑوسی ملک بھارت سے کام لے رہے ہیں۔ کیوں کہ بھارت بھی اب عالمی سطح پر خصوصا خطے میں ایک اہم اقتصادی طاقت ہے۔ بڑا جغرافیہ اور بڑی آبادی رکھتا ہے۔ مغربی دنیا کے لیے اہم یہ ہے کہ چین بھارت کے ساتھ 3488 کلومیٹر طویل سرحد رکھتا ہے۔ سرحدی لائن کے تعین کے حوالے سے ان کے درمیان بہت پرانا اور بہت گہرا تنازع بھی چلتا آرہا ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان کئی بار جنگ بھی ہوچکی ہے۔

دونوں ممالک کے درمیان سرحد بہت طویل ہے مگر ان کے درمیان حدود کا تعین اب تک نہیں ہوا۔ جس ملک کے زیر قبضہ جو علاقہ ہوتا ہے وہ اسی کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

سرحدی حد بندی نہ ہونا دونوں ممالک کے درمیان زمینی ملکیت پر اختلاف کی

سب سے بڑی وجہ ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان اختلاف پچھلے 60 سالوں سے جاری ہے۔ 1962 سے 2017 اور اب 2020 تک دونوں ممالک کے درمیان سرحد پر موجود فوجیوں کی وجہ سے 5 چھوٹی جنگیں ہو چکی ہیں۔

1962 میں ہونے والی جنگ میں بھارت کے ایک ہزار سے زائد فوجی ہلاک ہوئے۔ 3 ہزار کے قریب زندہ گرفتار ہوگئے۔ جنہیں چین نے حسن نیت کے اظہار کے لیے بلاشرط وقید آزاد کر دیا۔ دونوں ممالک کے درمیان ہونے والی جنگوں میں یہ سب سے بڑی جنگ تھی۔ اس قدر بڑے پیمانے پر نقصان والی جنگ پھر نہیں ہوئی۔ اس جنگ میں چین نے بھارت سے اقصائے چین کا علاقہ لے لیا تھا۔ بھارت کا کہنا ہے کہ یہ اس کا حصہ ہے جس پر ناجائز قبضہ کیا گیا ہے۔ اپنے سرحدی تنازعات کے حل کے لیے دونوں ممالک کے درمیان 22 اجلاس بھی ہوئے مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ نہ کسی سرحدی حصے کا تنازعہ حل ہوا۔

دونوں ممالک کے درمیان اختلاف کی شدت اور موقف کی سختی کو دیکھتے ہوئے ایٹمی جنگ کے خطرے کی باتیں کی جارہی ہیں۔ مگر میرے خیال میں یہ خدشہ بالکل بے جا ہے۔ دونوں ممالک نے ایٹم بم نے بنا رکھے ہیں اور اپنے دفاع کے لیے اپنے پاس رکھے ہیں مگر کسی پر پھینکنے کا خطرہ کسی نے ان سے محسوس نہیں کیا۔ ایٹمی جنگوں کا زمانہ بہت دور ہے۔ اب لوگ بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ بڑی طاقتیں ایک دوسرے کے معاملات میں بہت تحمل سے کام لیتی ہیں۔ تعلقات بہت زیادہ خراب ہو جائیں تو بھی ایک دوسرے سے جنگ نہیں چھیڑتیں۔ اب دنیا اقتصادی جنگ کی جانب جارہی ہے۔ توپ، بم اور گولیاں چلائے بغیر ملکوں پر اقتصادی حملے ہوتے ہیں۔ انہیں اقتصادی حملوں اور اقتصادی بربادی کے ذریعے نظاموں کو تباہ کیا جاتا ہے، ملکوں پر قبضے کیے جاتے ہیں۔

آج کی دنیا میں بقا اقتصاد میں ہے، مصنوعات اور برآمدات معیشت کی بنیاد ہیں۔ بھارت کی آبادی ایک ارب سے زیادہ ہے۔ بھارت زراعت میں خود کفیل ہے۔ اپنی ایک ارب آبادی کے لیے کچھ تازہ اور خشک میوہ جات کے علاوہ کچھ بھی باہر سے نہیں منگواتا۔ مگر اپنے برقی آلات اور موبائلوں کی صرف 20 فیصد ضرورت خود پوری کر سکتا ہے۔ بقیہ 80 فیصد ضروریات بھارتی تاجر چین سے طلب کرتے ہیں۔ بھارت کے دوسرے پڑوسی جیسے پاکستان، بنگلہ دیش، برما، سری لنکا، بھوٹان، نیپال کوئی بھی اپنی اس ضرورت کی ایک فیصد پوری نہیں کر سکتا۔

بھارت اپنی یہ ضرورت چین سے پوری کرتا ہے۔ بھارت برقی آلات اور موبائل تائیوان، جاپان اور امریکا سے لا سکتا ہے مگر اس میں مسئلہ یہ ہے کہ ایک تو ان ممالک کی مصنوعات کی قیمتیں بہت زیادہ ہیں۔ پھر بھارت سے دوری کی وجہ سے بھارت پہنچتے پہنچتے اس کی قیمت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ لوگوں کی قوت خرید سے نکل جاتی ہے۔

حالیہ کشیدگی کے بعد کچھ متعصب ہندوؤں نے یہ تحریک چلائی کہ چینی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے۔ مگر بھارتی حکومت نے اس حماقت کی تائید نہیں کی۔ نہ عام لوگوں میں ان کی اس تحریک کو قبولیت ملی۔ بالفرض اگر بھارت چین کا اقتصادی بائیکاٹ کر بھی لے تو چین کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ دیگر ممالک افغانستان، پاکستان، بنگلہ دیش، برما، نیپال، لاوس، شمالی کوریا، بھوٹان، ویتنام، روس، قازقستان، کرغیزستان اور تاجکستان سب چینی مصنوعات ہی استعمال کرتے ہیں۔ دنیا کی آدھی مارکیٹوں میں چینی مصنوعات فروخت ہوتی ہیں۔ اور یہ لوگوں کی مجبوری ہے۔ کیوں کہ دیگر ممالک کے مقابلے میں چینی مصنوعات کی قیمتیں کم ہوتی ہیں۔ اسی لیے تو دنیا کی مارکیٹ پر چین کا قبضہ ہوتا جارہا ہے۔ مستقبل قریب میں چین دنیا کی سب سے بڑی معاشی قوت بن رہا ہے۔ مختصر یہ کہ چین اور بھارت کے درمیان بڑی جنگ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں۔ چین تو ویسے بھی جنگ سے خود کو بچاتا ہے۔ اور بھارت بھی جنگ سے دوری ہی چاہتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ بھارت یہ سب کچھ ایک پالیسی کے تحت کر رہا ہے۔ بھارت چین کے ساتھ امریکا اور دیگر مغرب کی دشمنی کو اپنے لیے اہم موقع سمجھتا ہے۔ بھارت جانتا ہے کہ چین لڑے گا نہیں۔ اس لیے اس پر ہاتھ ڈال کر امریکا اور مغرب سے بڑے فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

آپ دیکھیں، آج پورے خطے میں امریکا اور مغرب کے تعلقات سب سے زیادہ بھارت کے ساتھ اچھے ہیں۔ بھارت کے ساتھ ہر طرح کے معاہدے ہو رہے ہیں۔ بھارت اور کشمیر میں ہونے والے تمام مظالم پر انہوں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب تک امریکا اور مغرب کے بھارت سے مفادات وابستہ رہیں گے بھارت ایسے اقدامات کرتا رہے گا جو بظاہر چین کے لیے تشویش کا باعث ہوں گے۔

افغانستان میں امریکی شکست کی ایک اور تصویر

احمد مختار

امریکی قومی سلامتی کے سابق مشیر جان بولٹن کی لکھی گئی کتاب (The Room Where It Happened) کی اشاعت نے بین الاقوامی میڈیا میں ہلچل مچادی ہے۔

جان بولٹن نے افغانستان، عراق، ایران اور شمالی کوریا کے بارے میں جنگی حکمت عملی کے حوالے سے ریپبلکن کے موقف کی حمایت کی ہے۔

انہوں نے سن 2016 میں صدر ٹرمپ کی انتخابی مہم میں اہم کردار ادا کیا، اس لئے انہیں ٹرمپ انتظامیہ میں محکمہ خارجہ کے عہدے کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔ لیکن ٹرمپ نے کامیابی حاصل کرنے کے بعد بولٹن کی سکریٹری آف اسٹیٹ کی تقرری کو نظرانداز کیا اور ڈیڑھ سال انتظار کے بعد انہیں قومی سلامتی کا مشیر مقرر کیا۔

اپنی صدارتی مہم میں ٹرمپ کا بنیادی نعرہ افغانستان میں جنگ کا خاتمہ تھا۔ ٹرمپ نے انتخابی مہم کے دوران قوم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ صدر منتخب ہو گئے تو وہ امریکی تاریخ کی سب سے طویل جنگ کا خاتمہ کریں گے کیوں کہ اس جنگ سے امریکیوں کو سب سے بڑا مالی اور انسانی نقصان ہوا ہے۔

یہ ایک ایسی جنگ تھی جسے شروع میں امریکیوں نے مقدس قرار دیا تھا اور سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے وائٹ ہاؤس کے ساتھ واقع تاریخی چرچ (St. John's Church) سے صلیبی جنگ کا اعلان کیا تھا۔ انہوں نے پوری دنیا سے جنگ میں حصہ لینے کا مطالبہ کیا اور دھمکی دی کہ جو بھی پیچھے رہتا ہے اسے مٹادے گا۔

لیکن تاریخ نے اس جنگ کی کایا ہی پلٹ دی۔ جنگ کے 19 سال بعد موجودہ صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سینٹ جان چرچ کا دورہ کیا، اور اسی چرچ میں اس جنگ کو بڑا نقصان اور ملعون جنگ قرار دیا اور امریکی ساکھ کو دوبارہ بحال کرنے کے لئے اس جنگ کو فوری طور پر ختم کرنے کے لئے ایک بار پھر اپنے عزم کا اظہار کیا۔

افغانستان میں امریکہ اور اس کی فوجی اتحادی نیٹو افواج نے 19 برس تک جنگ جاری رکھی، اس جنگ میں ان کے اربوں ڈالر خرچ ہوئے اور چار ہزار غیر ملکی فوجی ہلاک اور ہزاروں فوجی زخمی ہوئے، علاوہ ازیں وائٹ ہاؤس اور پینٹاگون کے اعلی حکام کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہوئے۔ ان اختلافات کے نتیجے میں جنرل اسٹینلے میک کرسٹل اور جنگ پسند جان بولٹن جیسے بہت سارے اہم فوجی اور انٹیلیجنس عہدیداروں نے فوجی اور سیکیورٹی کی اہم ذمہ داریوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایچ آر میک ماسٹر اسی کام کو انجام دینے میں ناکام ہونے کے بعد جان بولٹن کو وائٹ ہاؤس کا قومی سلامتی کا مشیر مقرر کیا گیا۔

جنگ کے حامی جان بولٹن نے ٹرمپ کو مشورہ دیا کہ وہ افغانستان میں مزید سفاکیت استعمال کریں۔ انہوں نے ٹرمپ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ افغانستان میں امریکی فوجیوں کو جنگ کے میدان میں قتل عام کے لامحدود اختیارات دیں۔

ٹرمپ نے ان کے مشوروں کی بنیاد پر افغانستان اور جنوبی ایشیاء کے لئے تشدد پر مبنی نئی پالیسی کا اعلان کیا لیکن 17 مہینوں کے بعد ٹرمپ نے اس پالیسی کی ناکامی پر برہمی کا اظہار کیا اور ان جنگ پسند حکام کے سامنے غصے کا اظہار کیا۔

مختصر یہ کہ ٹرمپ، بولٹن اور پاگل کتے (جیمز میٹس) نے اس وقت کے وزیر دفاع کے ساتھ مل کر افغانستان کے مظلوم عوام کے خلاف درندگی کی انتہا کر دی لیکن خدا کے فضل و کرم سے افغان عوام نے عزم واستقامت کے ساتھ حملہ آوروں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ان کے جہادی عزم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

درندہ صفت جان بولٹن، جس کی حماقت اور وحشت کی سطح ٹرمپ کی وحشت اور حماقت سے کہیں زیادہ تھی، نے اپنی حماقت پر اصرار کیا اور مظالم کا سلسلہ مزید بڑھانے کے لئے ٹرمپ کو مشورہ دیا۔ لیکن ٹرمپ سمجھ گئے کہ یہ پالیسی ناکام رہی، یہ پالیسی امریکہ کی مزید تباہی کا سبب بن رہی ہے، اس لئے انہوں نے بولٹن کو روک دیا اور انہیں قومی سلامتی کونسل کے عہدے سے برطرف کر دیا۔

جب امریکہ کی جارحیت نیٹو کی فوجی اور سیاسی مدد کے باوجود افغانستان میں بری طرح ناکام ہو گئی، تو وائٹ ہاؤس اور پینٹاگون کے درمیان کشیدگی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ بولٹن کی کتاب کی اشاعت کے بعد ٹرمپ نے انہیں غیر اخلاقی اور پاگل شخص قرار دیا۔

بولٹن نے اپنی کتاب کے ایک حصے میں ٹرمپ کے حوالے سے لکھا ہے": ہم نے افغانستان میں سب کچھ کھو دیا ہے اور اب ہم شکست کے دہانے پر کھڑے ہیں۔

افغانستان میں ہمارے تمام مالی اور فوجی اخراجات ہمارے لئے شرم کی بات ہے۔ میں ان ہلاکتوں اور اخراجات کو مزید برداشت نہیں کر سکتا، مجھے قوم نے اس لئے صدر منتخب کیا ہے کہ میں اس جنگ کا خاتمہ کروں اور میں اس کے خاتمے کے لئے پر عزم ہوں۔

بولٹن کی کتاب امریکی فوج اور سیکیورٹی کے اعلی حکام میں سے پہلی تحریر ہے جس نے افغانستان کی جنگ میں امریکی شکست، بدنظمی اور اختلافات کی ایک واضح تصویر دکھائی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مذکورہ جنگ کے دوسرے شکست خوردہ امریکی جرنیل سابق سوویت یونین کے جرنیلوں بورس گروموف اور جنرل الیگزنڈر مائیوروف کی طرح اپنی یادداشتوں میں کیا لکھتے ہیں؟

اسلام کے سپاہیو! تمھیں آزادی مبارک ہو

شاہد غزنیوال

امارت اسلامیہ اور امریکا کے درمیان جارحیت کے خاتمے پر معاہدے کے جملہ مندرجات میں سے ایک امن کے قیام اور بین الافغانی مذاکرات کے آغاز سے قبل کابل انتظامیہ کے مختلف جیلوں میں قید امارت اسلامیہ کے پانچ ہزار قیدیوں کی رہائی تھی۔

کابل انتظامیہ امن معاہدے کی بھی مخالف تھی اور انہوں نے قیدیوں کی رہائی کی بھی پر زور مخالفت کی۔ لیکن جب امارت اسلامیہ اور امریکا کے درمیان یہ تمام معاملات طے ہوگئے تو اب اس کی حمایت مخالفت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رواں سال 8 اپریل کو کابل انتظامیہ کی جانب سے قیدیوں کی رہائی کا معاملہ طے پاگیا اور پہلی فرصت میں پل چرخی اور بگرام جیل سے ایک سو قیدیوں کو رہا کیا۔ اس کے ساتھ ہی اگلے روز ایک سو مزید قیدی رہا کیے گئے۔ کابل انتظامیہ کی مخالفت کے باوجود گذشتہ ایک ماہ میں 3500 طالبان قیدی رہائی پاکر اپنے پیاروں تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ وہ قیدی تھے جو گذشتہ 19 سالوں کے دوران امریکی فوجیوں اور ان کے کاسہ لیسوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر نہایت تکلیف و مشقت کی زندگی گزار رہے تھے۔ ان میں ایسے حریت پسند بھی تھے جنھوں نے جیل کے اندر ہی غصب اور ناجائز جارحیت کے خلاف مسلسل علم جہاد بلند کیے رکھا۔ جیل کی سختیوں، مشقتوں اور وحشی تفتیش کاروں کے ظلم و ستم کے باوجود ایک لمحے کے لیے آزادی و حریت کے حق میں ان کی آواز نہیں دبی۔

امریکیوں اور ان کے داخلی ہم کاروں نے ظلم و ستم کا کوئی بھی طریقہ نہیں چھوڑا جسے ان مجاہدین پر آزمایا نہیں گیا ہو۔ ان میں ایسے قیدی بھی تھے جنھوں نے پندرہ سال سے زائد عرصہ جیل میں گزارا، نہ تو انھیں جیل میں رکھنے کی کوئی معقول وجہ بتائی اور نہ ہی قید رکھنے کی مدت بتائی۔ کیوں کہ انھیں یقین تھا کہ یہ قیدی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید ہی رہیں گے کبھی اپنے گھروں کو نہیں لوٹیں گے۔ لیکن قدرت کا فیصلہ کچھ اور تھا، افغانستان کے مقدس جہاد کی برکت سے اللہ تعالی نے غاصبین کو شکست دے دی۔ تاآں کہ غاصبین نے اپنی ہی کٹھ پتلی انتظامیہ کی رائے کے خلاف فیصلہ کرکے تمام طالبان قیدیوں کی رہائی کو منظور کیا۔

آزادی و حریت کے لیے لڑنے والے اسلام کے سپاہیو!

تمھیں آزادی مبارک ہو! تم ہی اسلام اور وطن کے اصل ہیرو ہو!

تمہاری ہتھکڑیوں نے دشمن کو مرعوب کرکے انھیں پیچھے دھکیل دیا ہے۔

تمہاری ہمت و غیرت کی بدولت افغانوں کے سر فخر سے بلند ہیں!

تمہارا اقبال بھی بلند رہیں!

اللہ تعالی تمہاری قربانیوں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اس کے نتیجے میں افغانستان کی سرزمین پر ایک سچا اسلامی نظام قائم فرمائے۔

آمین یارب العالمین

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

(58) سورۃ یونس

ایک رات غازی عبدالصبور کے ساتھ

انس حقانی

مصنف عظیم جہادی شخصیت جلال الدین حقانی کے فرزند ہیں۔ کئی سال بگرام جیل میں گذارنے کے بعد رہا ہوئے اور اب قطر کے سیاسی دفتر میں مذاکراتی ٹیم کے رکن ہیں۔ زیر نظر تحریر میں اپنا جیل کا ایک واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ ادارہ شریعت اپنے قارئین کے لیے ان کا تفصیلی انٹرویو کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ان شاء اللہ

بگرام کی عمومی جیل میں سب سے بدترین بلاک (شوالفا) بلاک تھا۔ جسے سزا یافتہ لوگوں کی جیل کہا جاتا تھا۔ یہاں ان قیدیوں کو سزا دی جاتی تھی جنھوں نے عمومی بلاکوں میں ان کے مطابق قانون سے انحراف کیا ہوتا۔ انہیں یہاں پانچ سے پندرہ روز تک رکھا جاتا۔ اور جو لوگ ان کے ہاں بالکل قابل رحم نہ ہوتے انہیں یہاں نامعلوم تاریخ تک مہینوں اور سالوں رکھا جاتا۔ میں اور حافظ عبدالرشید صاحب بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کا یہاں سے نکلنا امر ثانی سے مشروط تھا۔

سزایافتہ لوگوں کے اس بلاک میں 64 "باتھ روم" بنائے گئے تھے۔ ہر "باتھ روم" کی لمبائی 15 بالشت اور چوڑائی دس بالشت تھی۔ یہی ب"اتھ روم" ان سزایافتہ قیدیوں کے بیرک تھے جس کے ایک کونے میں وضو اور قضاء حاجت کی جگہ تھی اور دوسرے کونے میں قیدی کے بیٹھنے لیٹنے کی جگہ ہوتی تھی۔ یہیں پر نماز اور تلاوت کی جاتی۔ ان باتھ روم نما کمروں کی چھت پر مضبوط پنجرہ ایک سرے سے دوسرے تک تھا۔ اوپر سے سب کچھ نظر آتا تھا۔ سپاہی ان باتھ روموں کے اوپر دن رات گشت کرتے۔ کسی کو سونے کی اجازت نہیں ہوتی تھی کیوں کہ یہاں نیند لینا اور آرام کرنا ممنوع تھا۔ چھت کے اوپر ایک اہلکار اکثر اوقات ایک زنجیر اس پنجرے پر گھسیٹتا رہتا جس سے نیچے بہت زیادہ اور ناقابل برداشت شور ہوتا۔ کیوں کہ نیچے بلاک سارا لوہے کا بنا تھا۔ نیچے صحن میں بھی اہلکاروں کے ہاتھوں میں لوہے کے بھاری راڈ ہوتے جس سے وہ قیدیوں کے کمروں کے دروازے زور زور سے بجاتے۔ ہر طرف سے یہ آوازیں ہوتیں جس کی وجہ قیدی آرام نہیں کر پاتے۔

دن میں دو یا تین بار سیکیورٹی افسر نیچے اترتا۔ گارڈ اس کے ساتھ ہوتے۔ ہر بیرک میں جاتا۔ اس کے گارڈ قیدی کو ہاتھ پاؤں سے پکڑ کر اس کے آگے جکڑ دیتے اور وہ کیبل سے قیدی پر اس قدر تشدد کرتا کہ اس کی چیخیں پورے بلاک میں سنی جاتیں۔ ہر قیدی کو خوف ہوتا کہ اب اس کے بعد میرا نمبر ہے۔

یہاں نہ روزے کا احترام تھا نہ عید کا۔ نہ عالم کا نہ حافظ قرآن کا۔ نہ بوڑھے، مریض یا بچے کا کوئی خیال رکھا جاتا۔ ہر وقت ہر کوئی یہی سلوک کرتا۔ الا ماشاء اللہ کوئی اہلکار یا افسر اگر اچھا انسان ہوتا تو اس کی باری پر تمام قیدیوں کو کچھ سکھ کا سانس لینے کا موقع ملتا۔ کسی کے پاس بھی ایک کمبل سے زیادہ کچھ نہیں چھوڑا جاتا۔ قرآن کریم اکثر قیدی کھانے کی ٹرے پر رکھتے کیوں کہ اس کے رکھنے کے لیے اور کوئی چیز ہوتی نہیں تھی۔

قید کی ابتدا میں ہم اکیلے تھے۔ اس بلاک میں بھی ہم اکیلے تھے اور قیدیوں کی آوازیں ایک دوسرے تک پہنچتی تھیں۔ ساتھ والے قیدی سے اچھی بات چیت ہو سکتی تھی۔ دوسرے قیدیوں سے بھی ہو سکتی تھی مگر جب آواز زیادہ اونچی ہو جاتی تو ضرور مزید سزا کا حق دار ٹھہرایا جاتا۔

دیگر قیدی اکثر دس دن یہاں گذارتے اور پھر واپس اپنے بلاکوں میں لے جائے جاتے۔ ہمارے ساتھ والے بیرک میں جب نیا قیدی لایا جاتا تو تھوڑی دیر بعد ہم آواز دے کر پوچھتے کس بلاک سے لائے گئے ہو؟ کون ہو؟ سیاسی قیدی ہو اخلاقی؟ کس صوبے سے تعلق ہے؟ آپ کی رشتہ داروں سے کوئی ملاقات رہی ہے یا دوسرے قیدیوں کی ملاقاتوں کا حال جانتے ہو تو بتاو باہر کے کیا حالات ہیں؟ کچھ نئے واقعات سناو! مگر قیدیوں کی باتیں بھی اکثر افواہوں پر مبنی ہوتیں، تحقیقی نہیں ہوتیں۔ ممکن ہے ان کے رشتہ داروں نے بھی انہیں حوصلہ دینے کے لیے وہ مبالغہ آمیز باتیں سنائی ہوں جن کی کوئی حقیقت نہ ہوتی۔ ایک دن میں دنیا فتح کر کے دکھادیتے جیسے بس ابھی یہ سب کچھ ہونے والا ہے۔ ایک قیدی شاعر دوست محمودی صاحب نے ایک شعر لکھ بھیجا تھا۔

مکړه د بګرام پو ښتنه مه کوه
یو پکې دروغ او بل ویښته ډیر دي

(بگرام کے بارے میں مجھ سے مت پوچھو۔ یہاں جھوٹ اور بال زیادہ ہیں)

قیدیوں کے بال بھی زیادہ گرتے۔ بیرکیں بالوں سے بھری ہوتیں۔اس لیے انہوں نے بالوں کا بھی ذکر کیا۔ مختصر یہ کہ برابر والے "باتھ روم" کی طرف ہر وقت توجہ رہتی کہ کوئی نیا قیدی آجائے۔ ایک رات گئے ایک قیدی کو لایا گیا۔ سیکیورٹی افسر اس سے پوچھ رہا تھا۔ مجھے ان کی باتیں زیادہ سمجھ نہیں آئیں ۔ اتنا سمجھ سکا کہ قیدی کے پاس بستر نہیں تھا۔ ٹھنڈے فرش پر بیٹھا تھا اور بستر مانگ رہا تھا۔ اہلکاروں نے کہا لاجسٹک شعبے والوں کو اطلاع دی ہے لاتے ہوں گے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ نیا قیدی ہے۔ ہوسکتا ہے اسے نیشنل سیکیورٹی کے تفتیش خانے سے یہاں لایا گیا ہو۔ کیوں کہ نئے قیدی کے پاس بستر نہیں ہوتا تھا۔ دیر سے اس کے پاس کمبل لایا گیا۔ اس نے کئی بار قرآن کریم مانگا اہلکاروں نے کہا نہیں ہے۔ فجر کی نماز کے بعد رات کے پہرے دار گئے اور مارننگ شفٹ والے آگئے۔ شفٹ کا سربراہ بغلانی افسر تھا۔ میرا دوست بن چکا تھا۔ کئی بار میرے پاس آیا مگر کنی کترا کر گذر گیا اور کوئی بات نہیں کی۔ آخر کار کہہ دیا کہ تمہارے برابر میں نیا قیدی نیشنل سیکیورٹی کے مرکز سے آیا ہے ایسا نہ ہو سرکار کا ہی جاسوس ہو اور میری اور آپ کی باتیں سننے کے لیے آیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ بغلانی افسر خود اس قیدی کے پاس گیا۔ اس سے پوچھا کون ہو؟ کب گرفتار ہوئے تھے؟ اس نے بتایا سالنگ کا ہوں، کل گرفتار ہوا تھا۔

چار سال پہلے وزارت کے آفس میں امریکیوں پر فائرنگ کی تھی، میں پولیس اہلکار تھا۔

افسر نے پوچھا تم وہ عبدالصبور سالنگی تو نہیں ہو جس کے متعلق کل ٹی وی پر خبریں آرہی تھیں۔اس نے کہا جی میں وہی ہوں۔

افسر نے دوسرے اہلکاروں کو بھی بلایا۔ سب کو بتایا یہ وہی شخص ہے۔ سب آکر اس کے بیرک کے اوپر لوہے کے جنگلے پر بیٹھ گئے۔ سب نے پوچھنا شروع کیا" کیسے تم نے یہ کر دکھایا؟"

غازی عبدالصبور بہت غیور آدمی تھا۔ پورے اطمینان سے جواب دے رہا تھا۔ غیرت بھری باتیں اس نے کیں۔ اس نے بتایا میں نے اللہ کے دین پر غیرت کی۔ اپنے وجدان اور ضمیر نے مجھے بے غیرتی کی اجازت نہیں دی۔ اللہ کی رضا کی خاطر میں نے یہ کیا۔ انہوں نے قرآن پاک جلایا تھا۔ کیا میں اس پر خاموش رہتا؟ تو پھر ایمان کا کیا فائدہ؟ ایک اہلکار نے کہا آپ کا کیس بہت بڑا ہے تمہاری رہائی تو بہت مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے پھانسی ہو جائے۔ عبدالصبور نے کہا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے دین پر غیرت کی، اللہ تعالی نے ان پر غیرت کی۔ اس طرح کہ دنیا حیران رہ گئی۔ پھر اس نے آیت پڑھی: [قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (69) سورة الأنبياء] اللہ تعالی نے فرمایا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی ہو جا ابراہیم (علیہ السلام) پر

سارے اہلکار سر جھکائے سن رہے تھے جیسے سب کو وہ طعنے دے رہا ہو۔ امریکیوں کی ہلاکت کا واقعہ سنایا۔ کہا اس حملے کے بعد میں ایران چلا گیا۔ وہاں مزدور کرتا رہا۔ چار سال بعد چھپکے سے اپنے گاوں آیا۔ جنرل کو پتہ چلا۔ جنرل کا نام میں نے نہیں سنا کس جنرل کی بات ہو رہی تھی میرے خیال میں ایوب سالنگی کی بات ہو رہی تھی۔ کہہ رہا تھا اس نے مجھے بلایا اور بہت اطمینان دلایا کہ کچھ نہیں ہو گا۔ ایک بار آجاو میں تیرا ضامن بنوں گا۔ میں نے ان پر اعتماد کیا اور ان کے پاس چلا گیا۔ اس نے دھوکہ دیا اور مجھے قید گرفتار کر کے کابل بھیجدیا۔ آج یہاں لایا گیا۔

افسر اچھا آدمی تھا اس نے اطمینان دلایا کہ جو بھی خدمت ہو مجھے بتایا کرو۔ عبدالصبور نے کہا ایک قرآن کریم لاکر دو۔ افسر نے ایک اہلکار کو اس کا حکم دیا۔ ایک اہلکار میرے پاس آیا اور کہا بہت عجیب کارنامہ نہیں کیا اس نے؟ میں نے ہنس کر کہا تم بھی ایسے مضبوط بنو۔ یہاں تو امریکیوں کا زیادہ آنا جانا رہتا ہے۔ اس نے اپنے آس پاس دیکھا اور بے بسی کی ہنسی ہنس کر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد عبدالصبور نے بہت پیاری آواز میں تلاوت شروع کی۔ وہ تلاوت کر رہے تھے کہ کچھ اور لوگ آئے اور انہیں بیرک سے نکال کر اپنے ساتھ لے گئے۔ پتہ نہیں چلا کہ کہاں لے کر جا رہے ہیں۔ افسر سے پوچھا کہ کہاں لے کر گئے ہیں؟ کہا اسے بیرونی شوپر لے گئے ہیں۔ وہاں امریکی خود تفتیش کریں گے۔ مجھے بہت رحم آیا اس پر، کیوں کہ وہ جگہ میں دیکھ چکا ہوں۔ آٹھ ماہ وہاں میں گذار چکا تھا۔ وہ بالکل تنگ ایک فرد کے لیے بنے بیرک تھے۔ میرے بس میں صرف یہی تھا کہ دعا کروں ان کے لیے تو بس میں وہی کرتا رہا۔ دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ وہ بے حد غیور آدمی ہے۔ ایمان و یقین کا بہت پکا اور دین سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تعالی کا وعدہ سچا ہے ضرور اسے جیل سے رہائی دلائیں گے۔

کچھ دن قبل میڈیا پر دیکھا کہ غازی عبدالصبور امارت اسلامیہ کے معاہدے کی بنیاد پر جیل سے رہا ہو چکے ہیں۔ یہی خدا تعالی کی غیرت ہے۔ جو وہ اپنے غیور بندے کے معاملے پر دکھاتا ہے۔ غیور لوگوں کے ہاتھوں اللہ تعالی نے انہیں رہائی دلا دی۔

جو لوگ اللہ کے دین پر غیرت دکھاتے ہیں ان کے لیے اس واقعے میں بڑا اطمینان کا درس پوشیدہ ہے۔ یہ تاریخ کا کوئی پرانہ قصہ نہیں۔ جس کا ثبوت کتابیں اور شواہد ہوں۔ یہ آج کے دن کی زندہ مثال ہے۔ اللہ تعالی نے ہمیں دکھا دیا اور وہ ہیرو بڑی سرخروئی سے جیل سے نکل آیا۔ عبدالصبور غازی تاریخ میں ایک فاتح کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ

ہفتہ وار پریس بریفنگ

ایک معتبر تنظیم کے نام پر ایک ناقابل اعتبار رپورٹ

2020-06-06

اقوام متحدہ عالمی سطح پر ایک اہم اور معتبر تنظیم سمجھی جاتی ہے۔ یہ تنظیم جس کے اراکین میں پوری دنیا کے ممالک شامل ہیں۔ اسی سطح کے اعتبار، وجاہت اور ذمہ داری کا بوجھ بھی اس کے کاندھوں پر ہے۔ اس کی عالمی حیثیت کا تقاضہ ہے کہ اس تنظیم کی جانب سے جو رپورٹ نشر ہو وہ بہت تحقیقی، مستند اور حقائق پر مبنی ہو۔ اس میں تضادات اور اندازوں پر بات نہ کی گئی ہو بلکہ ہر بات حقائق کے مطابق ہو۔

لیکن بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس تنظیم کی جانب سے حال ہی میں افغانستان میں بیرونی جنگجوؤں کی موجودگی اور دیگر مسائل کے حوالے سے جو رپورٹ نشر کی گئی ہے اس کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔ مثال کے طور پر اس رپورٹ میں بیرونی جنگجوؤں کے جو اعداد وشمار نشر کیے گئے ہیں اور افغانستان کی سرزمین پر ان کی موجودگی کے جو دعوے کیے گئے ہیں اس نے ہمارے ہم وطنوں کو حیران کردیا ہے۔ کیوں کہ افغان عوام اس ملک کے باشندے ہیں۔ اپنے گھر کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور یہاں کے حالات کا انہیں سب سے بڑھ کر علم ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس وقت افغانستان میں بیرونی جنگجو موجود نہیں ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق تو یہاں ہزاروں بیرونی جنگجو تو موجود ہوں مگر یہاں کے باشندوں کو اس کی خبر نہ ہو۔ اقوام متحدہ کی اس رپورٹ میں یہ بات صراحتاً مذکور ہے کہ ان معلومات کے لیے کوئی آزادانہ تحقیق نہیں ہوئی بلکہ کابل انتظامیہ اور کچھ دیگر حکومتوں کی معلومات کی بنیاد پر یہ رپورٹ تیار کی گئی ہے۔ کابل انتظامیہ جو امارت اسلامیہ کے ساتھ لڑائی میں باقاعدہ فریق ہے۔ اسی طرح کچھ دیگر ممالک جو افغانستان میں امن نہیں چاہتے، انہوں نے ضرور کوشش کی ہوگی کہ غلط معلومات دے کر اقوام متحدہ کے موقف کو اپنے حق میں استعمال کریں اور امارت اسلامیہ کے حوالے سے دنیا کو غلط تصور پیش کریں۔

رپورٹ میں اور بھی بہت سے تضاد اور غلط معلومات درج ہیں۔ امارت اسلامیہ کے کئی اداروں کے ذمہ داران کے غلط بتائے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک صوبے کا گورنر جسے ایک جگہ فوت شدہ اور اسی رپورٹ میں دوسری جگہ زندہ اور حالیہ گورنر بتایا گیا ہے۔ رپورٹ میں آیا ہے کہ امارت اسلامیہ کے شوری کی تشکیلات کی تفصیل امارت اسلامیہ کی آفیشل ویب سائٹ سے لی گئی ہیں۔ حالانکہ امارت اسلامیہ کے رہبری شوری کی تفصیل کسی ویب سائٹ پر یا میڈیا یا ادارے کو نہیں دی گئی۔ یہ ساری بے بنیاد چیزیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ یہ رپورٹ غیر حقیقی اور گمراہ کن ذرائع سے تیار کی گئی ہے۔

امارت اسلامیہ افغانستان پورے اعتماد سے کہتی ہے کہ اس رپورٹ کے ذریعے اقوام متحدہ کے نام پر ان ممالک نے اپنا کھیل کھیلنے کی کوشش کی ہے جو افغانستان میں جنگ کا اختتام اور اس کا سیاسی حل نہیں چاہتے۔ ہم جانتے ہیں کہ افغانستان پر مسلط کردہ 19 سالہ جنگ نے ایک جانب ہمارا گھر جلایا، ہمیں دربدر کردیا، دوسری جانب کچھ اداروں اور ممالک کو اس سے مالی مفادات، تزویراتی اہمیت اور سیاسی مفادات ملے۔ چونکہ ان کے مفادات جنگ کے تسلسل سے وابستہ ہیں تو ضرور ان کی کوشش ہوگی کہ پرامن حل کی کوشش کو غیر معتمد ظاہر کرکے جنگ کی راہ ہموار رکھیں۔

مگر ہماری قوم کا مطالبہ یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی تنظیم کے وجود کا فلسفہ دنیا سے جنگوں کا خاتمہ اور امن کا قیام ہے۔ اسی طرح سلامتی کونسل کا مقصد امن وسلامتی کا قیام ہے نہ جنگ کے لیے جواز تراشنا اور اعلانات کرتے رہنا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس ملنے والی فرصت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ تاکہ ہماری مظلوم ملت ایک آزاد اور باعزت زندگی گذار سکے۔

معاہدے پر عمل درآمد کامیابی سے ہوگا

2020-06-13

امارت اسلامیہ اور امریکا کے درمیان افغانستان سے بیرونی فوجیوں کے انخلاء کے حوالے سے ہونے والا معاہدہ اگرچہ آغاز میں کچھ تاخیر اور مشکلات کا شکار رہا۔ مگر

اچھی بات یہ ہے کہ اب وہ رکاوٹیں بہت حد تک دور ہو چکی ہیں۔ تمام افغان شہری کھلم کھلا اس معاہدے پر عمل درآمد ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ گذشتہ چند ہفتوں میں دونوں جانب سے بہت سے قیدی آزاد ہو چکے ہیں اور مقابل فریق نے وعدہ کیا ہے کہ عنقریب بقیہ دو ہزار قیدی بھی آزاد کر دیں گے۔ امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے ترجمان جناب سہیل شاہین نے کہا ہے کہ قیدیوں کی رہائی کے بعد امارت اسلامیہ بین الافغانی مذاکرات کے لیے تیار ہو گی۔

افغان عوام جو جارحیت کا خاتمہ اور امن کا قیام چاہتے ہیں ہر فریق سے یہ امید رکھتے ہیں کہ اس ہدف کی جانب شروع کیا گیا سفر اسی طرح جاری رکھیں۔ دوحہ معاہدے میں طے پانے والی شرائط کے مطابق اقدامات کریں۔ اس حوالے سے وہ بیانات اور دعوے جو عوام میں خدشات اور ناراضگی کا سبب بن رہے ہیں، یہ کچھ مخصوص لوگوں اور مخصوص طبقات کے بے بنیاد دعوے ہیں جن سے یہ شفاف سلسلہ خلط ملط ہو سکتا ہے۔

مثلاً کچھ دن قبل اقوام متحدہ کے فورم سے امارت اسلامیہ کے خلاف الزامات سے بھری بے بنیاد رپورٹ نشر ہوئی۔ جس سے کچھ روز پہلے مشرق وسطی میں امریکی فورسز کے جنرل کمانڈر جنرل فرینکلین میکینزی کی جانب سے بھی یہی بے بنیاد الزامات دہرائے گئے۔ جس سے امن عمل کا یہ تسلسل بے اعتبار ہونے کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

اسی طرح داخلی سطح پر کابل انتظامیہ کے کچھ حکام کے بیانات اور وقت سے پہلے کی باتیں بھی اعتماد کی قائم شدہ فضا کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔ اس لیے ان حالات میں عوام اور ملک کے بڑے مفادات اور مصالح کو پیش نظر رکھ اس سیاسی کشیدگی کا خاتمہ کیا جائے۔

کابل شہر میں مساجد اور علماء کرام پر حملے بھی اسلام اور ملک کے دشمنوں کی سازشیں ہیں۔ تاکہ خبر ساز جرائم کے ذریعے جارحیت کے خاتمے کی جانب اٹھائے ہوئے قدم روک دیے جائیں۔ معاہدے پر عمل درامد کا راستہ روک سکیں۔ اسی لیے جب یہ پراسرار حملے ہوتے ہیں تو کئی حکام اور مطلب پرست میڈیا فوراً اس کا الزام امارت اسلامیہ کے مجاہدین پر ڈالدیتے ہیں۔ مگر امارت اسلامیہ نے ہمیشہ ایسے اسلام مخالف اقدامات سے برائت ظاہر کی ہے اور ان کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ہم وطن اس طرح کے پراسرار جرائم کے اصل کرداروں کو جانتے ہیں۔ جنہوں نے 19 سال تک غیروں کے لیے افغان عوام کا خون بہایا۔ اب ایک اور عنوان سے خونریزی کا یہ سلسلہ جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

آخر میں اتنا ہی کہیں گے کہ امارت اسلامیہ موجودہ حالت کو مثبت انداز میں دیکھتی ہے اور امید رکھتی ہے کہ آئندہ مراحل بھی اسی طرح کامیابی سے ہوں گے۔ تاکہ اللہ تعالی کے فضل اور رحمت سے ہماری جنگ زدہ مظلوم قوم اسلامی نظام اور آزاد افغانستان کے چالیس سالہ خواب کی تعبیر پا سکیں۔ اسی امید پر۔۔۔

امارت اسلامیہ کے آگے سرنڈر ایک اور اچھی خبر

2020-06-20

ایسے حالات میں جب بیس سالہ جارحیت اور جنگ کے خاتمے کے لیے دوحہ میں ہونے والا معاہدہ آہستہ آہستہ نافذ کیا جا رہا ہے۔ قیدیوں کی رہائی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ ایک اور اچھی خبر بھی ہے جو مستقبل میں تنازع اور داخلی کشمکش کی روک تھام میں مفید واقع ہو سکتی ہے۔ وہ خبر یہ ہے کہ عسکری اہلکاروں اور افسروں کی بڑی تعداد آئے روز مخالفین کی صفوں سے الگ ہو کر امارت اسلامیہ کی صف میں شامل ہو رہی ہے۔ حال میں یہ سلسلہ اور بھی تیز ہو گیا ہے۔

حالیہ چند دنوں میں بلخ، پکتیا، لوگر، بغلان اور دیگر بہت سے صوبوں میں پولیس، اربکی اور دیگر اہلکاروں کے افراد گروہ در گروہ امارت اسلامیہ کی مخالفت چھوڑ کر مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو رہے ہیں۔

امارت اسلامیہ نے پہلے ہی جنگ چھوڑنے والے اہلکاروں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا تھا۔ ان افراد کے آنے پر ان کا پرجوش استقبال کیا۔ انہیں بھائیوں کی طرح محبت دی۔ انہیں پھولوں کے ہار پہنائے۔ ان کی پرانی دشمنی کو نظر انداز کر کے عام زندگی گذارنے کے لیے انہیں وسائل اور حالات فراہم کیے۔ انہیں اپنے گاوں اور اپنے گھر میں جان مال اور عزت کی حفاظت کی ضمانت کے ساتھ زندگی گذارنے کے مواقع فراہم کیے ہیں۔

یہ اس لیے ایک خوشگوار پیش رفت ہے کہ ایک اسلامی اور پرامن افغانستان

تک پہنچنے کے لیے ایک اہم شرط یہ ہے کہ یہ لوگ دوسروں کے اشاروں پر اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف دشمنی سے دستبردار ہوجائیں۔ جو اسلام کے بنیادی تعلیمات کے بھی خلاف ہے اور عقل وضمیر کی نگاہ سے بھی اس کی کوئی دلیل یا توجیہ ممکن نہیں۔ انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گذشتہ بیس سالوں میں ہمارے کئی بھائی بیرونی جارحیت پسندوں کے پروپیگنڈے اور جھوٹے وعدوں کے دھوکے میں آگئے۔ اپنے ملک کی جارحیت میں بیرونی قوتوں کے مددگار بن گئے۔ ایسے حالات میں جب امارت اسلامیہ نے ہمیشہ ان سے عفو واخلاص کا رویہ رکھا۔ انہیں اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ بیرونی قوتوں کے ناجائز مقاصد کے لیے استعمال ہونے سے باز آجائیں۔

مگر دو عشرے گذرنے کے بعد خصوصاً گذشتہ چند ماہ میں بہت سے حقائق واضح ہوگئے۔ امارت اسلامیہ کی حقانیت سورج کی طرح روشن ہے۔ ہماری قوم ایک قابل فخر اور تاریخی مزاحمت کے بعد ایک مکمل آزاد اور پرامن اسلامی نظام کی جانب قدم اٹھا رہی ہے۔ ایسے حالات میں ہمارے منحرف بھائی اگر اپنے گھر اور اپنے اصل راستے کی طرف لوٹ رہے ہیں تو یہ خوشی اور امید کی بشارت ہے۔ امارت اسلامیہ ملک، ملت اور قوم کی خوشحالی، آرام اور ترقی آپسی اتفاق واتحاد اور عفو ودرگذر میں دیکھتی ہے۔ اس کے لیے دعوت وارشاد کے نام سے ایک خاص کمیشن بھی بنایا ہے جو ملک کے تمام صوبوں میں فعال ہے۔

اسی طرح ایک بار پھر مخالف صف میں کھڑے تمام فوجیوں اور کارکنوں کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ اب غیروں کے اسلحہ سے اور ان کے حکم پر اپنے ہم وطن بھائیوں کو مارنے کا سلسلہ ختم کریں ورامن کے اس شروع کردہ عمل میں اخلاص سے شریک ہوجائیں۔

ایک تاریخی حقیقت جسے تسلیم کیا جانا چاہیے:

2020-06-28

ہوسکتا ہے یہ بہت سے لوگوں کے اندازے سے بڑھ کر ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ افغانستان میں حالیہ 19 سالہ جہاد ہماری قوم کی وہ آزاد اور احساس خودی سے سرشار مزاحمت تھی جس کی مثال حریت پسندی کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہوگی۔

یہ جہاد سرد جنگ کی کوئی پراکسی لڑائی نہیں تھی جو مشرق یا مغرب کے کسی بلاک سے وابستہ تھی۔ ہماری قوم نے جہاد کا پرچم ایسے حالات میں بلند کیا تھا جب دنیا ایک قطبی تھی۔ تاریخ کے خاتمے کی باتیں ہورہی تھیں۔ کوئی یہ جرائت نہیں کر پارہا تھا کہ وہ ہمارے مومن عوام کے اس برحق مزاحمت کی محض لفظی حمایت ہی کردیتا۔

یہ رب تعالی کی نصرت تھی جس نے ہماری قوم کو بے مثال استقامت اور عزم عطا کیا۔ افغان عوام نے اپنے ہاتھوں کے بنائے بارود سے دنیا کی جدید ترین ٹیکنالوجی کو چیلنج کیا۔ پرانی بندوقوں، ایکسپائر گولیوں اور کم ترین وسائل سے اپنی مزاحمت نہ صرف زندہ وجاری رکھی بلکہ کامیابی کے مراحل بھی طے کیے۔

یہ وہ حقیقت ہے جس کو دوست ودشمن سب جانتے ہیں مگر مانتے نہیں۔ اب تک کوئی ایسی دلیل نہیں ملی کہ دنیا کے کسی ملک نے مجاہدین کو اسلحہ فراہم کیا ہو۔ اس بات کا ایک ثبوت یہ ہے کہ امارت اسلامیہ کے مجاہدین کے اسلحوں کے حوالے سے انٹرنیٹ پر سرچ کی جائے تو ان کا سب سے موثر ہتھیار وہ (Water Container IED) دکھائے گا۔ یعنی پانی کے کین سے بنا دستی بم۔ اس حد تک استقلال اور اپنے آپ پر بھروسہ وہ فخر ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ الحمدللہ تعالی نے ہماری قوم کو یہ قابل فخر دن بھی دکھایا۔

جس طرح کچھ میڈیا اوارے اپنی ناکامی کی کوئی توجیہ کرنے کے لیے امارت اسلامیہ کی جہادی کامیابیوں اور کارناموں کو دوسرے لوگوں کی جانب منسوب کرتے ہیں اور اس حوالے سے روس یا دیگر ممالک کی معاونت کے دعوے کرتے ہیں، یہ وہ بے بنیاد دعوے ہیں جس کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ صاحب عقل اور صاحب علم بندہ اسے تسلیم کرسکتا ہے۔

امارت اسلامیہ تمام فریقوں کو چیلنج کرتی ہے کہ اگر ہمارے برحق مبارزے پر کسی بیرونی قوت سے تعلق یا تعاون کا کوئی الزام ہے یا اس کی خودمختاری کو چیلنج کرنے کی ہمت ہے تو اپنے ثبوت لے کر آئیں۔ اس سے بڑھ کر ہم کسی کو اجازت نہیں دیں گے کہ ہماری قوم کی اس قابل فخر تاریخ کو داغدار کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا مبارزہ عزیمت کے اس مقام پر ہے کہ بہت سے پنچ سطح کی سوچ کے لوگ اس کا تصور نہیں کرسکتے۔ یہ جہاد اس چمکتے سورج کی طرح ہے شپرہ چشم دشمن جس کے دیکھنے کی سکت نہیں رکھتے۔ اس لیے اس طرح کی بدگوئی اور غلط پروپیگنڈے سے اپنے کینہ اور بغض کو آرام دلاتے ہیں۔

مذہب کے بغیر بھی کوئی مہذب بن سکتا ہے

شہید زادہ

ایک سفید فام پولیس کے ہاتھوں ایک سیاہ فام امریکی جارج فلوئیڈ کے مظلومانہ قتل کے خلاف امریکا کے تقریباً تمام شہروں میں اس وقت بھی شدید احتجاج اور مظاہرے جاری ہیں۔ بلکہ اب تو یہ سلسلہ دیگر مغربی ممالک تک پھیل چکا ہے۔ احتجاجی مظاہرین کے نعرے اور مطالبے سب کے سب بالکل درست ہیں لیکن دورانِ احتجاج امریکی اقوام نے جو کچھ دنیا کو دکھایا وہ سب کچھ ان کے قول اور فعل میں تضاد کے ساتھ دنیا کے لیے انتہائی تعجب خیز بھی ہے۔

امریکی قوم خود کو دنیا کی سب سے بڑی تہذیب یافتہ قوم باور کراتی ہے۔ اب ان کے مظاہروں کی جو ویڈیو کلپس سوشل میڈیا پر نشر ہو رہی ہیں ان میں نظر آتا ہے کہ لوگ پولیس کی گاڑیوں کے ساتھ عام لوگوں کی گاڑیوں اور املاک کو بھی آگ لگا رہے ہیں۔ انہیں تباہ کر رہے ہیں۔ بڑی دکانوں اور سٹورز کو لوٹ رہے ہیں اور جو انہیں ہاتھ آ رہا ہے ساتھ لے کر جا رہے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ یہ سب امریکی باشندے ایک امریکی پر کیے گئے ظلم کے خلاف نکلے ہیں۔ ظلم اور بے انصافی کے خلاف نعرے بلند کرتے ہیں۔ ریاست سے عدل وانصاف اور ظالم کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ لیکن یہی لاکھوں امریکی اپنے دیگر ہم وطنوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان کی گاڑیوں کو نذرِ آتش کر کے تباہ کرتے ہیں۔ ان کے اموال کو لوٹتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں اپنے ہم وطنوں کی اس طرح کی بربادی کو ظلم سمجھتے ہیں نہ ہی اپنا ضمیر انہیں جھنجھوڑتا ہے۔

کبھی جب بعض اسلامی ممالک میں مظاہرین سرکاری یا غیر سرکاری املاک کو دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کوئی نقصان پہنچا دیتے ہیں اور اس کے خلاف اخبارات اور مضامین میں کچھ لکھا جاتا ہے تو اس میں سر فہرست مسلمانوں کے جہل، تہذیب وتمدن سے ناآشنائی اور غیر شائستہ رویہ کی بات ہوتی ہے۔ اور پھر بطورِ درس یہ پڑھائی جاتی ہے کہ امریکا اور دیگر یورپی ممالک میں اس سے کئی گنا بڑے مظاہرے اور دھرنے ہوتے ہیں پر مجال ہے کہ کبھی کسی گاڑی یا عمارت کا شیشہ تک ٹوٹا ہو۔

ہمارے عام لوگ جو امریکا اور یورپ کے اندرونی حالات سے اکثر ناواقف ہوتے ہیں اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ شاید واقعتاً وہاں ایسا جنت نظیر ماحول ہے۔ وہاں کے باشندے تہذیب، تمدن، عدل وانصاف اور انسانیت دوستی کے علمبردار ہیں۔ انہیں انسانی اقدار اور املاک کی قدر ہے۔ نسلی، لسانی اور ہر قسم کے تعصب سے وہ بالاتر ہیں۔ انہیں تو بس انسانیت سے ہمدردی ہے چاہے وہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ ساتھ میں وہ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ امریکا اور یورپ کے لوگ زندگی کے ہر لمحے میں اصول پسند ہیں اور وہ دل سے قانون کو سب سے بالاتر تصور کرتے ہیں۔

لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم یہ الزام نہیں لگاتے کہ اہل مغرب میں سرے سے کوئی خوبی ہے ہی نہیں۔ البتہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ جس طرح وہ اپنے معاشرے کو ظاہر کرتے ہیں واقع میں ایسا نہیں ہے۔ ہمارے اس دعوے کا واضح ثبوت حالیہ دھرنوں اور مظاہروں میں بلاضرورت قومی اور عوامی املاک کو نقصان پہنچانا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ محض اپنے ہم وطنوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف اٹھنا اور اس کے لیے آواز اٹھانا کوئی انسانیت کے ساتھ کوئی بڑی ہمدردی نہیں ہے۔ انسانیت دوستی اور اعلیٰ درجہ کی ہمدردی یہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی کونے میں کسی انسان کو تکلیف پہنچتی ہو، وہ ظلم کی چکی میں پس رہا ہو اس کے حق میں آواز اٹھائی جائے اور اس کو عدل وانصاف فراہم کیا جائے۔ جس قوم کی انسانیت دوستی اور ہمدردی عام ہو۔ اسے ہر وقت اور ہر جگہ بس عدل ہی پسند ہو اور ہر جگہ وہ ظلم کے

خلاف ہو۔ وہ قوم بلاشبہ ایک زندہ دل قوم ہے اور اس لائق ہے کہ انہیں بااحساس اور انسانیت کا ہمدرد قرار دیا جائے۔

امریکا اور اس کے اتحادیوں نے مشرقِ وسطیٰ میں حکومتوں کے خلاف عوام کو اکسایا۔ عوامی مظاہروں کے ذریعہ ریاستوں اور نظاموں کو زیر وزبر کردیا۔ اپنے ناجائز اور مکروہ منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے پوری دنیا میں بدامنی پھیلائی۔ افغانستان اور عراق پر اپنے ناجائز استعماری قبضے کے دوران سپر بم پھینک کر غریب مسلمانوں کے گھر اجاڑ دیئے۔ اسلامی مقدسات کی توہین کی۔

مساجد، مدارس، اسکول، کالج اور ہسپتالوں کو ویران کیا۔ قابض وحشی افواج نے معصوم بچوں اور عورتوں سمیت ہزاروں بے گناہوں کو تہ تیغ کیا اور شدید تباہی مچائی۔

بات صرف عراق اور افغانستان کی نہیں، امریکا کی سربراہی میں مغرب نے اپنے مفادات کے لیے پوری دنیا کو اپنے خونخوار پنجے میں جکڑنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے چھوٹے اور بڑے بش کے زمانہ میں بہت ہی نازیبا اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔

اس بات کو اب ہر کس وناکس سمجھتا ہے کہ عالم اسلام میں جاری کشمکش اور ناگفتہ بہ حالات کے پیچھے امریکا کی سازش ہے ۔

اب سوال یہ ہے کہ امریکا اور دیگر مغربی ممالک اپنی ریاستوں کے یہ مظالم اور وحشت ناک کردار کیوں نہیں دیکھتے اور اس کے خلاف کیوں نہیں اٹھتے ؟

کیا اس کو انسانی ہمدردی کہتے ہیں ؟

کیا یہی ہے وہ تہذیب وتمدن جس کا وہ ہمیں درس دیتے ہیں ؟

ایک امریکی کے قتل پر تو تحریک اٹھے اور جو روز ہزاروں بے گناہ انہیں وحشیوں کے ہاتھ تہ تیغ ہوتے ہیں ان پر چپ سادھ لیں ؟

جس طرح آج ایک امریکی کے قتل پر پورا مغرب ہل گیا ہے اگر اسی طرح سے وہ اپنی ریاستوں کے مظالم کے خلاف اٹھتے اور آواز اٹھاتے تو آج دنیا میں اس بدامنی کا عروج کیوں ہوتا؟ اور انسانیت کا اس طرح قتل عام کیوں ہوتا؟ ہزاروں بلکہ لاکھوں بے گناہ اس وحشت کا شکار کیوں ہوتے ؟

حقیقت مگر یہ ہے کہ عالم میں سابقہ یا جاری مظالم میں مغربی ممالک کو ایک دوسرے سے الگ تصور کرنا۔ ایک کو مجرم قرار دینا اور دوسرے کو برائت کا پروانہ جاری کرنا درست فیصلہ نہیں ہے۔ کیونکہ جتنے ظالم سربراہ آئے ہیں وہ انہیں عوام کے درمیان سے ہی نکلے ہیں اور انہیں عوام نے انہیں اپنے ووٹ سے منتخب کیا ہے۔ انہیں سربراہوں کے تمام مظالم کو دیکھتے ہوئے اگلی دفعہ پھر انہیں منتخب کیا اور انہیں ووٹ دیے ہیں۔ اس طرح سے یہ سب عوام اپنے سربراہوں کے پورے کیے دھرے میں برابر کے شریک ہیں اور ان وحشتوں میں ہر ایک کا اپنی استطاعت کے مطابق حصہ ہے۔

دراصل ان کا شروع سے مزاج یہ رہا ہے کہ اپنے علاوہ کسی اور کو انسان کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نہ ہی ان پر کسی بھی طرح کا ظلم ووحشت کوئی غیر اخلاقی جرم تصور کرتے ہیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں! پندرھویں صدی میں جب برطانیہ، پرتگال، ڈنمارک، فرانس، اسپین اور دیگر ممالک نے افریقا پر قبضہ کیا تو افریقا کی پوری آبادی کو اپنا غلام بنایا۔ یہ گورے جتنا چاہتے ان سے کشتیاں بھر بھر کر جبری طور پر مغرب لے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ 1865ء تک جاری رہا۔ ۱۲ ملین سے زائد افریقی باشندے مغرب منتقل کر لیے گئے۔ مغرب میں ان کو غلام کی حیثیت دی گئی۔ ان کی خرید وفروخت بہترین کاروبار بن گئی۔ ان پر ہر قسم کا ظلم روا گردانا گیا۔ مشکل اور جانکاہ کاموں کے لیے انہیں کا چناو کیا گیا۔ ان کے آقاؤں کو معمولی سی بات پر انہیں قتل کرنے کا اختیار دیا گیا۔

پھر یہ جو سیاہ فاموں کو آزادی ملی ہے یہ ان بے رحم سفید فاموں کی رحمدلی کے نتیجہ میں نہیں ہوئی ہے، بلکہ اس کے لیے عظیم تحریکیں بپا ہوئیں اور عظیم قربانیاں دی گئیں۔ انہیں تحریکوں اور قربانیوں کی وجہ سے صرف اس حد تک معاملہ حل ہوا کہ سیاہ فام قانوناً غلامی سے تو آزاد ہوئے البتہ سفید فاموں کی نگاہ میں وہ اب بھی ایک آزاد انسان کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ انہیں اپنی طرح کے انسان بھی نہیں سمجھتے۔

گزشتہ بیسویں صدی کے نصف سے تھوڑا سا پہلے کا زمانہ اگر دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ مغرب میں سیاہ فام کوئی انسانی نگاہ سے دیکھنے کے قابل نہیں سمجھے جاتے۔ ان کو سفید فاموں کے ساتھ سفر کرنے، ہوٹل میں یکجا کھانا کھانے، اور

ہسپتال میں برابری کے علاج کروانے کے اجازت نہیں تھی-ہر جگہ ان کے درمیان حدفاصل وجود رکھتی تھی اور یہ سب کچھ قانونی سطح پر ہوتا تھا-

بعد میں لمبی تحریکوں اور بڑی قربانیوں کے بعد سیاہ فام بھی اپنی انسانی حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور انہیں سفید فاموں کے ساتھ برابر کے حقوق مل گئے- لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب تک آسمانی ہدایت کی روشنی ساتھ نہ ہو اور وحی اور مذہب پر عمل نہ ہو برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- یہی وجہ ہے کہ مغرب میں تعصبانہ رویہ اب بھی برقرار ہے-

کیا یہ ممکن ہے کہ مذہب نہ ہو، ایمان نہ ہو، آسمانی ہدایات کی اتباع نہ ہو اور حقیقی اخوت وبرادری قائم ہو جائے؟

مغرب کی تہذیب اور تمدن کی بات بھی ان کی انسانیت دوستی کی طرح محض ایک دکھلاوا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں- عنوان تہذیب وتمدن کا ہوتا ہے لیکن اندر سے انسانیت کے لیے اپنے بھرے ہوتے ہیں-

اکثر یورپی باشندے چاہے کسی بھی سطح کے ہوں، دانشور ہوں سیاسی شخصیات ہوں یا عوام- خود کو انتہائی مہذب اور متمدن سمجھتے ہیں- مسلمانوں کو دہشت گرد، بنیاد پرست، تنگ نظر اور انتہاپسند قرار دیا جاتا ہے- مسلمانوں کو تہذیب کے دشمن، انسانی حقوق بالخصوص عورتوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے سمجھتے ہیں-

یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر اہلِ مغرب کس چیز کو فرہنگ اور تہذیب کہتے ہیں؟ اور کس چیز پہ وہ فخر کرتے ہیں؟ کیا یہ تہذیب ہے کہ ان کی دستور ساز اسمبلیاں ہم جنس پرستی کے قانون کو اکثریتی رائے سے پاس کردیتی ہیں؟

یاپھر فحاشی اور جنسی بے راہ روی کو اس طرح انسانی معاشرہ میں بے دریغ پھیلانا تہذیب ہے؟ یاپھر بیان کی اس آزادی کو تہذیب سمجھتے ہیں جو ڈنمارک، امریکا، ہالینڈ، ناروے، فرانس اور دیگر ممالک میں اسلامی مقدسات کی توہین کے لیے استعمال کی جاتی ہے؟

تمدن کیا وہ اس کو سمجھتے ہیں کہ ادیان کی مساوات اور مذہبی رواداری کے قانون کی تعمیل کے سلسلہ میں فرانس اور دیگر بعض ممالک میں مسلمان خواتین کے حجاب پر پابندیاں لگائی جائیں؟ یاپھر شراب، جوے، ناچ گانے، اور زنا کے لیے اڈے اور بازار کھولنے کو وہ تہذیب کہتے ہیں؟

مرد وزن کی مساوات کا وہ دھوکہ جس کی برکت سے صنفِ نازک فیکٹریوں، کارخانوں اور مارکیٹ میں تشہیری آلہ کار بنی ہے۔ اسی صنف نازک کو مردوں کے لیے دیگر اشیاء کی طرح ایک بہترین خرید وفروخت کا سامان بنادیا گیا ہے، یہی ان کی ثقافت ہے؟

.اصل بات یہ ہے کہ امریکا اور دیگر مغربی ممالک کے اندر مضبوط سسٹم موجود ہے جس نے اپنے باشندوں کے لیے زندگی گزارنے کا ایک قالب بنا رکھا ہے اور اسی کے تحت ان کو زندگی گزارنے کا پابند بنا رکھا ہے۔ اس کے علاوہ مذہب اور آسمانی ہدایات نہ ہونے کی وجہ سے نہ ان کے پاس تمدن کچھ ہے اور نہ تہذیب. سالانہ رپورٹوں کو اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقت نظر آتی ہے کہ ایک سال کے اندر جتنے جرائم کا مغربی دنیا کے تہذیبی مرکز امریکا میں ارتکاب ہوتا ہے ان کا آدھا حصہ پوری اسلامی دنیا میں وجود پذیر نہیں ہوتا- یہ جو اسلامی دنیا میں ایک آدھ جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے اس کی بھی بنیادی وجہ مسلمانوں کی اپنے دین سے دوری اور عمل کے باب میں سستی ہے ورنہ تو یہ بھی دیکھنے کو نہ ملتے-

اسلام پر عمل کرنے میں سستی اور کمزوری اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے مشکلات کی بنیادی علت بھی یہ ہے کہ اسلامی دنیا پر حکمران طبقہ نے اسلام کو اجتماعی اور معاشرتی سطح سے نکال کر ذاتی عبادات کی حد تک محدود کردیا ہے-

اگر مسلمان اپنے دین پر کماحقہ عمل کرتے تو بلاشبہ ان کی موجودہ تمام اخلاقی اور اجتماعی مشکلات حل ہوجاتیں؛ کیونکہ ان مشکلات اور پریشانیوں کی بنیادی وجہ اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلام کے اجتماعی اور سیاسی نظام کا معاشرے میں فقدان ہے اور اسی مقصد کے لیے مغرب پورا زور لگا رہا ہے اور تمامتر توانائی خرچ کر رہا ہے- افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس غرض کے لیے ہمارے بعض گم گشتہ راہ مسلمان بھائیوں کا بھی استعمال ہوتا ہے-

داعش اور وزیر اکبر خان مسجد پر حملہ

حبیب مجاہد

کابل میں وزیر اکبر خان کا علاقہ سفارتی اور گرین زون کے نام سے معروف ہے۔ اس علاقے میں ہر دوسری عمارت میں کوئی غیر ملکی سفارت خانہ، غیر ملکی این جی اوز کے دفاتر، غیر ملکی قوتوں کا کوئی خفیہ اطلاعاتی یا انٹیلی جنس مرکز جیسے سیکڑوں مراکز ہیں۔ اس لیے اس علاقے میں غیر ملکیوں نے یہاں اپنے سینکڑوں مراکز قائم کیے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کی کڑی نگرانی اور حفاظت کی جاتی ہے۔ عام لوگ اس علاقے میں بڑی مشکل سے داخل ہوتے ہیں۔ وزیر اکبر خان کے اسی علاقے میں ان تمام غیر مسلم قوتوں کے درجنوں مراکز کے ساتھ ایک ایسی عمارت بھی موجود ہے جو اسلام کی نشانی ہے۔ جسے شعائر اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ وزیر اکبر خان نامی تاریخی مسجد ہے۔ یہ مسجد غیر ملکی سفارتخانوں، این جی اوز، دجالی میڈیا کے دفاتر اور انٹیلی جنس مراکز کے درمیان اسلام کے ایک داعی کی حیثیت سے کھڑی ہے۔ جہاں سے دن میں پانچ مرتبہ اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔

اب آتے ہیں داعش کے کردار کی طرف۔ یہ گروہ جو خود کو مسلمان بھی کہتا ہے۔ نام نہاد خلافت اور جہاد کا نعرہ بھی لگاتا ہے۔ اس گروہ کے افراد کابل کے گرین زون وزیر اکبر خان میں کفار کے تمام مراکز میں کفار کی موجودگی پر آنکھیں بند کر کے وہاں کی سب سے مقدس جگہ جامع مسجد پر حملہ کرتے ہیں اور وہاں کے امام مولوی محمد ایاز نیازی کو کچھ نمازیوں سمیت خون میں نہلا کر شہید کر دیتے ہیں۔

یاد رہے کہ اس سے قبل داعش نے ننگرہار کے علاقے ہسکہ مینہ میں ایک مسجد پر حملہ کیا تھا جس میں 60 نمازی اللہ کے سامنے قیام میں ہی شہید کر دیے گئے۔ شاید کچھ لوگ کہیں کہ ان کا کام ہی قتل کرنا ہے اور وہاں چونکہ کفار موجود نہیں تھے اس لیے انہوں نے مسجد کو نشانہ بنا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ لیکن کابل کے وزیر اکبر خان جیسے علاقے کو دیکھیں تو وہاں درجنوں کفار کے مراکز ہیں لیکن داعش نے یہاں بھی کفار کو نشانے پر لینے کی بجائے مسجد کو ہی نشانے پر لیا۔ کفار کے انٹیلی جنس مرکز کے سامنے سے گزر کر مسجد کو ہدف بنانا کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔ ان کے کردار کو دیکھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بلاشک وشبہ داعش ہی اس زمانے کے خوارج ہیں۔ کیوں کہ ان کی ایک اہم نشانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ: يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدَعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ ، لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ" [وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں [کفار] کو چھوڑ دیں گے۔ اگر وہ میرے ہاتھ آئے تو ضرور قوم عاد کی طرح ان کو قتل کر دوں گا۔

اگر تھوڑی سی عقل اور تجربے سے کام لیا جائے تو ثابت ہوگا کہ شعائر اللہ [مساجد] پر حملے حقیقی مسلمانوں کی جانب سے نہیں ہوتے۔ بلکہ اسلام کے دشمن مسلمانوں کے عبادتخانوں پر حملے کرتے ہیں۔ بھارت میں بابری مسجد پر حملہ ہندوؤں نے کیا، فلسطین میں مسجد اقصیٰ پر حملہ یہودیوں نے کیا، نیوزی لینڈ میں مسجد پر حملہ ایک صلیبی دہشتگرد نے کیا۔ اب داعش جس طرح صرف مساجد پر حملے کر رہی ہے، نمازیوں اور علماء کو شہید کر رہی ہے اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس گروہ نے اپنے پرچم پر صرف نام کا کلمہ لکھا ہے سب سے زیادہ اسی کلمے کے تحت زندگی گذارنے والوں کو نشانہ بناتا ہے۔ ان کے سارے کام اسلام دشمن ہیں۔ ان کی ڈور دراصل پردے کے پیچھے چھپے اسلام کے سخت ترین دشمنوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہی انہیں مساجد اور مسلمانوں پر حملوں کے لیے اکساتے ہیں اور شعائر اللہ کی بے حرمتی کرواتے ہیں۔

وہ لوگ جو اب بھی داعش کو ایک اسلامی گروہ کی نظر سے دیکھتے ہیں انہیں چاہیے کہ ان حقائق کو غور سے پڑھیں۔ کیوں کہ یہ وہی شرپسند اور اسلام دشمن گروہ ہے جس نے شام اور عراق میں فتح کی دہلیز پر کھڑے مجاہدین کی تحریک کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ راہ حق کے ہزاروں مجاہدین کو شہید کیا۔ دنیا کے مختلف حصوں میں مجاہدین کے اندر نفاق کا بیج بویا۔ افغانستان کے اندر امارت اسلامیہ کی متحد صف کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اس کے ساتھ ہی اپنی وحشتوں کے ذریعے اسلام اور جہاد کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ اپنے محدود ساتھیوں کے علاوہ تمام امت مسلمہ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ ایک ایسا شرپسند گروہ جس کی دنیائے اسلام کے کسی معتبر عالم دین نے تائید نہیں کی، کسی نامور دینی اور علمی مرکز سے ان کی تائید نہیں کی گئی بلکہ تمام اہل اسلام ان کو دشمن کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس قسم کے نام نہاد اسلامی گروہوں سے اسلام کی خدمت کی توقع کرنا خام خیالی ہے۔ اس قسم کے گروہ اسلام کی تاریخ میں پہلے بھی خوارج، قرامطہ اور باطنیہ کے نام سے آئے اور مختصر عرصے کے لیے اپنی وحشت کا نظارہ پیش کیا اور بعد میں ان کا خاتمہ کیا گیا۔

ہمیں چاہیے کہ اپنے مقدس مقامات کو توہین اور کفار کے حملوں سے بچانے اور ان کے خفیہ ہاتھ کاٹنے کے لیے ضروری ہے کہ داعش، داعشی فکر اور نظریات اور ان کے ہر اس فعل کا حتی الوسع راستہ روکیں جو ان کی بقا کا سبب بن سکتا ہے۔ مساجد، مدارس، مکاتب اور عوامی مجالس میں داعش کی اصلیت اپنے نوجوان نسل اور عوام کو بتائی جائے کہ یہی اس زمانے کے خوارج اور اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں۔ اس لیے ان سے بچنے کی کوشش کریں۔

افغان سپاہی

بدر زلاند

سپاہی!

میں جانتا ہوں کہ تم مسلمان اور افغان ہو، تم اسی دھرتی کے بیٹے ہو، تمہارے قتل کو میں ایک افغان کا قتل سمجھتا ہوں، تمہاری بیوہ اور یتیم کو دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

لیکن میں بھی ایک افغان ہوں، ایک طالب ہوں، میں اس سرزمین کا وارث ہوں، میں افغان قوم کو اپنا وجود سمجھتا ہوں، اپنی سرزمین اور قوم پر ظلم کرنے والوں کی جارحیت نے مجھے اپنی زندگی اور جوانی کی میٹھی یادوں کو پامال کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مظلوم قوم اور سرزمین کی آزادی کے لئے میں نے سنگلاخ پہاڑوں کا رخ کیا تاکہ صلیبیوں کے ہر حملے اور بم کے خلاف اپنا سینہ ڈھال بنا کر وطن کا دفاع کروں۔

قوم کی آہوں اور سسکیوں نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں اپنے جسم پر بارود باندھ کر مظلوم لوگوں کا بدلہ اپنے گوشت اور ہڈیوں کے ذریعے لے لوں، میں قوم اور ملک کی خاطر آگ میں کودنے کے لئے تیار ہوں، میرے لواحقین کو میرے جنازہ اور قبر کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔

سپاہی!

کیا تم نے کبھی اپنے آپ پر غور کیا ہے کہ تم کون ہو اور کیا کر رہے ہو؟

تم نہیں جانتے کہ صلیبی حملہ آور یہاں آئے ہیں، انہوں نے ہماری سرزمین اور فضا پر ناجائز قبضہ کیا ہے، انہوں نے ہماری خودمختاری کو پامال کیا ہے، ہمارے اور آپ کے مقدس اسلامی شعائر اور مقامات، مساجد، دینی مدارس، جنازوں اور قرآن پاک کی بار بار بے حرمتی کی ہے۔

دشمن کی اس جنگ میں ہماری قوم کے لاکھوں جوان، عورتیں اور بچے شہید ہو چکے ہیں، قابض دشمن نے ہماری اور آپ کی قوم کو مارنے کے لئے ہزاروں لڑاکا طیارے، ٹینک اور خطرناک ہتھیار لائے ہیں، ہماری اور آپ کی افغانی ثقافت کو مغربی کلچر میں تبدیل کر دیا اور ننگا ماحول متعارف کروایا۔

افغان فوجی! اپنی راہ کا تھوڑا غور سے جائزہ لو۔

تم کس کے خلاف اور کس کے کہنے پر برسرپیکار ہو؟ تمہیں کو کس نے مسلح کیا اور کس نے مورچے میں بٹھایا؟

تمہیں تمہارا دشمن کون متعارف کروایا؟

کیا تمہاری جنگ اپنی افغان قوم کے خلاف نہیں ہے؟ کیا تم دن رات اپنے ہم وطن افغانوں کو نہیں مار رہے؟ کیا تم صلیبیوں کے ساتھ مل کر اپنے افغانوں کے خلاف صف آرا نہیں ہو؟ کیا تم اپنی حرمت کو پامال نہیں کر رہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ مکار دشمن نے اپنے افغان بھائی کے قتل پر تمہیں ہیرو قرار دیا اور جرنیل کے عہدے پر فائز کیا؟

اگر تم اپنے افغانوں کو قتل نہیں کرو گے تو آپ کو جنرل اور ہیرو کا لقب کون دے گا؟ کیا ملک کی حفاظت کے نام پر پھر آپ کو یہ تنخواہ ملے گی؟

تمہیں ان صلیبی حملہ آوروں نے اپنے ہم وطنوں کو قتل کرنے اور اسلامی اقدار کو مٹانے کے لئے کرایے پر لیا، تمہارے فرائض بس یہیں ہیں۔

کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ تمہیں تنخواہ، ہتھیار، کمانڈ اور دیگر ہدایات کون دیتا ہے؟ ذرا غور کریں کہ صلیبی مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے آپ ڈیوٹی پر مامور ہیں اور اپنی قوم کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے کونسا کارنامہ انجام دیا ہے۔

اس بات پر غور کرو آگر آج قابض امریکی اور مغربی دلال وطن عزیز سے

راہ فرار اختیار کریں، کیا تم پھر بھی یہ ڈیوٹی انجام دیتے رہو گے؟ اگر وہ تنخواہ اور ہتھیاروں کی فراہمی بند کریں تو کیا آپ مزید یہ خدمات انجام دیں گے؟ ہر گز نہیں لہذا اپنے مشن اور مستقبل پر غور کرو۔

تم قابض امریکی افواج اور ان کے کچھ مغربی ایجنٹوں کی موجودگی تک ہیرو اور جنرل رہو گے۔ تمہارے جعلی القابات ابھی بھی آپ کی خدمات تک محدود ہیں۔ آگر افغانوں کے یہ دشمن چلے گئے تو تمہارے پاس نہ تو وطن کا غم ہو گا اور نہ ہی کفن کا نعرہ ہو گا۔

افغان فوجی!

اگر تم گرفتار ہو گئے یا زخمی ہو گئے یا مارے گئے تو آپ کے یہ نمک حرام حکام آپ کو دوبارہ یاد کریں گے؟

تم نے اپنے محاذ کے ایسے سیکڑوں دوستوں کو دیکھا ہو گا کہ ان کی زندگی میں ان کے خاندانوں کو دوسرے اہل کاروں کی لاشیں پہنچا دی گئی۔ تم نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ آپ کے رجسٹرڈ اہل کاروں کو جو طویل عرصے سے قید ہیں، کی لسٹ کٹھ پتلی حکام کے پاس نہیں ہے۔ تم نے ایسے نابینا اور زخمی فوجیوں کو بھی میڈیا میں دیکھا ہو گا کہ جو سڑکوں پر کھڑے ہیں اور اپنے بچوں کے لئے بھیک مانگ رہے ہیں اور میڈیا کے سامنے رو رہے ہیں کہ اعلیٰ حکام نے ان کے ساتھ بے وفائی کی ہے۔

تم نے اپنے اہل کاروں کی بیوہ عورتوں کو بھی دیکھا ہو گا جو مجبوری کی وجہ سے اپنے معصوم بچوں کو بازاروں میں بیچ دیتی ہیں۔ تمہارے سنگ دل حکمران یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

میں بھی آپ کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہوں، تم چند ڈالروں کے بدلے حملہ آوروں کے شانہ بشانہ کھڑے ہو اور ہمیں مار رہے ہو، وہ محفوظ ٹھکانوں میں بیٹھے ہیں۔ تم ہمارے بچوں کو مارتے ہو، ہمارے گھروں کو تباہ کرتے ہو، تم ہی نے مجھے بے گھر کر دیا، تم ہی نے مجھے برسوں جیلوں میں قید کیا۔ تم ہی تھے جس نے مجھ پر بے پناہ تشدد کیا، تم ہمارے گھروں پر چھاپے مارتے ہو، صلیبی فوجیوں سے پہلے تم ہی ہمارے گھر کے صحن میں داخل ہوتے ہو، میرے اور صلیبیوں کے درمیان ہمیشہ کھڑے رہتے ہو، میں قابض دشمن پر حملہ کرتا ہوں تو سامنے تم آجاتے ہو۔

اگر تم افغان ہو تو تمہیں افغان قوم کا محافظ ہونا چاہئے۔ لیکن تم اپنی ہی قوم کے قاتل ہو، تم اور میں اس سرزمین کے بیٹے ہیں، تم میرے اتنے شدید دشمن کیوں ہو۔ مجھ سے اتنی شدید نفرت کیوں ہے، میں تمہارا دشمن نہیں ہوں، میں حملہ آوروں کا دشمن ہوں، میں ان کو مارتا ہوں۔

اگر تم واقعی افغان ہوتے تو حملہ آوروں کے خلاف ہمارا ساتھ دیتے، لیکن اس کے برعکس تم اپنی قوم کے خلاف کافروں کا ساتھ دے رہے ہو۔

تم دشمن کی بندوق اپنے کندھے سے اتار دو، تو تو ہمارے افغان بھائی ہو۔

تم مجھے مارنا چھوڑ دو، میں آپ کو نشانہ نہیں بناؤں گا۔

تم میرے دشمن کی معیت میں میرے سامنے نہ آؤ میں تمہارے گھر نہیں آؤں گا۔ اپنے ہی لوگوں کو مارنے سے گریز کرو، حملہ آوروں اور ان کے مغربی ایجنٹوں کی مدد کرنا چھوڑ دو، تم اپنی افغان قوم کے خلاف دشمنی سے دستبرداری کا اعلان کر دو، تم میرے پرانے افغان بھائی ہو۔

جب تک تم اپنی لاعلمی پر اصرار کرتے رہو گے، افغانوں کو مارنے سے گریز نہیں کرو گے، صلیبی قوتوں کی مدد سے اپنی قوم کے خلاف جنگ سے دستبرداری کا اعلان نہیں کرو گے، اس صورتحال میں مجاہدین سے جنگ بندی کا مطالبہ کرنا حماقت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

تم خود تو جنگ لڑو اور مجھ سے جنگ بندی کا مطالبہ کرو۔ یہ غیر معقول اور ناقابل قبول بات ہے۔ یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے۔

آؤ، ہماری جانب سے معافی کے دروازے کھلے ہیں، ہم نے آپ کے لئے عام معافی کا اعلان کیا ہے، اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاؤ، دشمن کی صف سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے بچوں کے ساتھ سکون سے رہو۔

قیدیوں کی رہائی پر اصرار کیوں؟

شاہد غزنیوال

کابل انتظامیہ کی جیلوں سے امارتِ اسلامیہ کے پانچ ہزار قیدیوں کی رہائی امریکا کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کی بنیادی شرط ہے۔

یہ معاہدہ جو رواں سال کے فروری کے مہینے کی انیتس تاریخ کو قطر کے دارالحکومت دوحہ میں امریکااور امارتِ اسلامیہ کے نمائندوں کے درمیان دستخط ہوا اس کی رو سے دس دنوں میں امارتِ اسلامیہ کے پانچ ہزار قیدی رہا ہونے تھے جن کے بدلے میں کابل انتظامیہ کے ایک ہزار قیدیوں کو رہا کرنا تھا۔

لیکن کابل انتظامیہ جس طرح اپنے آغاز سے بیرونی جنگ کو تسلسل دینے کے لیے کوشاں ہے، اس معاہدے کی ناکامی کے لیے بھی قدم قدم پر رکاوٹیں ڈال رہی ہے اور اس اہم شرط کو عملی جامہ پہنانے سے گریز کررہی ہے۔

جنگ کے خاتمہ اور پائیدار امن کے قیام کی راہ میں انتظامیہ کے یہ حیلے اور بہانے اس کا باعث بنے ہیں کہ اب تک امارتِ اسلامیہ کے پانچ ہزار قیدیوں کی رہائی کا مرحلہ مسلسل تعطل کا شکار ہے اور معاہدے کے دستخط ہونے کے کئی ماہ بعد بھی بین الافغانی مذاکرات شروع نہ ہوسکے اور حقیقی امن کے قیام کے لیے اب تک سنجیدگی کا اظہار نہیں کیا گیا۔

کابل انتظامیہ کی کوشش رہتی ہے کہ اپنے ناجائز اقتدار کو جواز بخشنے کے لیے قیدیوں کی رہائی سے پہلے ہی بین الافغانی مذاکرات شروع کروائے۔ لیکن امریکا اور امارتِ اسلامیہ کے درمیان کیے گئے معاہدہ میں تدریجی طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کی رو سے مشروط طور پر پہلے ایک مرحلہ مکمل ہوگا تو دوسرا شروع ہوگا۔ اس لیے امارتِ اسلامیہ اس بات پر اصرار کررہی ہے کہ بہر حال پہلے مرحلہ میں پانچ ہزار قیدیوں کی رہائی عمل میں لائی جائے گی اور اس کے بعد بین الافغانی مذاکرات شروع ہونگے۔

خود امارتِ اسلامیہ معاہدہ کی ہر شق پر عملدرآمد کے لیے اپنی جانب سے معاہدے کی شقوں کے مطابق مکمل پر عزم ہے اور اصرار کرتی ہے کہ جانبِ مقابل بھی معاہدہ کی مندرجات کو مکمل سنجیدگی سے روبہ عمل لائے اور کسی بھی قسم کی رکاوٹ کھڑی کرنے سے پرہیز کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قیدیوں کی رہائی معاہدہ کی پہلی شق ہے اگر امارت اسلامیہ اس کی عملدرآمد پر اصرار نہ کرے تو معاہدہ کی دیگر مندرجات کی تعمیل کی پھر کون ضمانت دے گا؟ اگر جانبِ مقابل پہلی شق میں ہی پس وپیش سے کام لینا شروع کرے تو اس سے آئندہ میں کیا خیر کی توقع کی جاسکے گی؟ پھر تو وہ صرف وہاں عملدرآمد کی بات کرینگے جہاں ان کے اور کابل انتظامیہ کی مفادات وابستہ ہوں۔

امارتِ اسلامیہ نے معاہدہ کے ساتھ وفاداری نبھانے کے لیے عید الفطر کے موقع پر تین دن کے لیے جنگ بندی کرکے بڑا ثبوت پیش کردیا۔

ملحوظ نظر رہے کہ معاہدہ کو اپنے مقررہ وقت اور متعین شرائط کے ساتھ عمل سے گزارنا درحقیقت معاہدہ کی کامیابی کا ضامن ہے۔ اسی وجہ سے امارتِ اسلامیہ وعدے کے مطابق پانچ ہزار قیدیوں کی رہائی پر مصر نظر آرہی ہے۔

اگر یہ شرط اور یہ مرحلہ مکمل نہ ہوجائے تو امارتِ اسلامیہ کسی صورت بھی اس کے بعد والے مراحل طے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگی۔

اس لیے یہ نکتہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اس مرحلہ میں کمی کوتاہی معاہدہ کی دیگر جزئیات پر سخت اثرانداز ہوسکتی ہے اور اسی کے پیش نظر پھر ہر مرحلہ ناقص صورت میں سامنے آئے گا جو معاہدہ کی ساکھ کو عالمی سطح پر نقصان پہنچائے گا اور اس طرح یہ اہم معاہدہ ایک بے کار چیز بن کر رہ جائے گا اور ایک واضح اور مثبت چیز سوالوں کی زد میں آجائے گی۔

جنگی جرائم جون 2020

حمید سعید

4جون 2020 کو صوبہ غزنی کے صوبائی دارالحکومت کے قریب افغان فورسز کی جانب سے سمنداگاؤں پر مارٹر فائر کئے گئے جس سے ایک خاتون شہید اور دودیگر خواتین زخمی ہوگئیں۔

4جون کو صوبہ فاریاب کے ضلع جمعہ بازار کے ینگی قلعہ کے علاقے میں افغان فورسز نے لوگوں کے گھروں پر مارٹر گولے فائر کئے، ایک گولہ ایک مکان پر گرا جس سے ایک شخص شہید ہوگیا۔

6جون کو افغان فوج نے صوبہ دایکنڈی کے ضلع گیزاب کے قزلباش کے علاقے میں گاؤں کے پیش امام (مولوی شاہ محمد) اور ایک اور دکاندار کو شہید کر دیا۔

7جون کو صوبہ فراہ کے دارالحکومت کے قریب خورمالق کے علاقے میں افغان فوج نے فوجی آپریشن کے دوران مقامی لوگوں کے گھروں سے قیمتی سامان لوٹ لیا اور دو کسانوں (عبدالرحیم اور عبدالرازق) کو شہید کر دیا۔

7جون کو صوبہ پروان کے ضلع شنواری کے علاقے شتر شہر میں افغان فورسز کی ایک کارروائی میں ایک دکاندار شہید اور دو شہری زخمی ہوگئے۔

7جون کو صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین کے جرغکیان مانده کے علاقے میں افغان اہل کاروں نے لوگوں پر فائرنگ کردی، جس کے نتیجے میں ایک شخص شہید اور دوسرا زخمی ہوگیا۔

8جون کو کابل کے ضلع موسہی میں افغان اہل کاروں نے محمد گل اکا نامی 80 سالہ موذن کو شہید کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد مقامی لوگوں نے احتجاج کیا جس پر پولیس اہل کاروں نے فائرنگ کر دی جس سے نوزالدین نامی شخص شہید اور آٹھ دیگر زخمی ہوئے۔

9جون کو سرکاری فوج نے صوبہ قندھار کے ضلع ارغستان کے امین قلعہ کے علاقے میں ایک دینی مدرسہ کو نذر آتش اور ایک بچے کو شہید کر دیا۔

10جون کو صوبہ بادغیس کے ضلع مرغاب کے علاقے خواجہ میں افغان فورسز کی فائرنگ سے چار شہری زخمی اور ایک شہید ہوگیا۔

11جون کو سرکاری فوج نے صوبہ نیمروز کے ضلع دلارام کے دھمزنگ کے علاقے میں مقامی آبادی پر مارٹر گولوں سے حملہ کیا جس کے نتیجے میں ایک شخص شہید اور دوسرا زخمی ہوگیا۔

12جون کو افغان فوج نے صوبہ غزنی کے نظر خان کے علاقے میں خانہ بدوشوں کے خیموں پر مارٹر گولے فائر کیے جس کے نتیجے میں دو بچے شہید اور دو عام شہری زخمی ہوگئے۔

12جون کو صوبہ میدان وردگ کے سالار کے علاقے میں افغان فورسز نے عام شہریوں پر فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں اقبال نامی ایک دکاندار شہید ہوگیا۔

12جون کو صوبہ خوست کے ضلع موسی خیل میں افغان فورسز کے مارٹر حملے میں دو خواتین اور دو بچے زخمی ہوگئے۔

13جون کو صوبہ میدان وردگ کے ضلع نرخ کے گاؤں شہاب الدین میں افغان فورسز کے مارٹر گولوں سے ایک مکان تباہ اور ایک خاتون شہید ہوگئی۔

13جون کو ایک شہری (حمید اللہ جان) جو اپنی کار میں سوار تھا، کو افغان اہل کاروں نے صوبہ میدان وردک ضلع سید آباد کے ہفت ایشیاء کے علاقے میں اغوا کر کے شہید کر دیا۔ نیز جاوید نامی ایک اور شخص جو اپنے بھائی کے ساتھ موٹر سائیکل پر سوار تھا، گھر سے جاتے ہوئے راستے میں افغان اہل کاروں نے شہید کر دیا اور اس کے بھائی پر شدید تشدد کیا گیا۔

14جون کو صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین کے ضلع پانکلا کے علاقے میں افغان فورسز کی فائرنگ سے ایک بچہ شہید اور دوسرا زخمی ہوگیا۔

14جون کو صوبہ کاپیسا کے ضلع تگاب کے محیب خیل کے علاقے میں حکومتی فورسز کی جانب سے فائر کیا گیا راکٹ شادی کی تقریب پر جا گرا جس سے خواتین اور بچوں سمیت نو شہری زخمی ہوگئے۔

14جون کو افغان فوج نے صوبہ فراہ کے ضلع فراہ رود کے میاجوئی کے علاقے میں کے مارٹر شیل فائر کئے جس کا ایک گولہ ایک دینی مدرسے پر گرا، جس کے نتیجے میں مولوی عبدالباری نامی شہری اور دو کم عمر حافظ شہید اور ایک اور شخص زخمی ہوا۔

14جون کو صوبہ لوگر کے دارالحکومت کے قریب خضر کے علاقے میں اربکی ملیشیا کے اہل کاروں نے ایک سواری گاڑی کو نشانہ بنایا اور 14 شہریوں کو زخمی کر دیا۔

15جون کو افغان فورسز نے دارالحکومت غزنی کے علاقے ارباب قلعہ میں ایک شہری کو شہید کر دیا۔

15جون کو افغان فوج نے غزنی کے صوبائی دارالحکومت کے قریب اسفندا

گاؤں پر مارٹر فائر کیا، جس کے نتیجے میں ایک بچہ شہید ہو گیا اور لوگوں کو مالی نقصان پہنچا۔

15 جون کو صوبہ ہلمند کے ضلع گریشک کے مضافات میں ہرات کی طرف جانے والی سڑک پر افغان فوجیوں نے مہاجر بازار نامی مقامی بازار کو بلڈوز کر دیا اور اس میں شہریوں کی 200 دکانوں، 13 کنٹینروں، 8 میڈیکلوں اور ایک پیٹرول پمپ کو مسمار کر دیا، قیمتی سامان ضبط کر کے لوگوں کو کروڑوں افغانی نقصان پہنچایا۔

20 جون کو صوبہ کاپیسا کے ضلع تگاب کے عمر خیل کے علاقے میں سرکاری فوج کی بمباری میں دو شہری شہید اور ایک بچہ زخمی ہو گیا۔

21 جون کو صوبہ غور کے ضلع اللہ یار کے علاقے غار میں افغان فوج کے فضائی حملے میں دو افراد زخمی ہوئے اور ایک مسجد کو نقصان پہنچا۔

21 جون کو صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین کے علاقے پانکیلی میں افغان فورسز کے حملے میں چار شہری شہید اور زخمی ہو گئے۔

23 جون کو صوبہ کاپیسا کے ضلع نجراب کے تپہ احمد بیگ کے علاقے میں افغان فورسز نے ایک زخمی طالب کو تشدد کا نشانہ بنایا، اس کے گلے میں پھندہ ڈالا اور پھر اس کو شہید کر دیا۔

23 جون کو صوبہ غزنی کے ضلع قرباغ میں افغان فوج نے دو دیہاتیوں (نعمت اللہ اور عبدالکریم) کو گھروں سے حراست میں لیا اور ٹینکوں کے پیچھے گھسیٹ کر شہید کر دیا۔

23 جون کو صوبہ قندوز کے علاقے چرخاب میں افغان فورسز نے ایک شہری کو شہید اور متعدد کو زخمی کر دیا۔

24 جون کو صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین کے علاقے چہاردہ میں افغان فورسز کی جانب سے ڈی سی توپ فائر کئے گئے جس سے دو خواتین شہید اور تین بچے زخمی ہو گئے۔

24 جون کو افغان فوج نے صوبہ بلخ کے ضلع خاص بلخ کے وزیر آباد کے علاقے میں شہریوں کے گھروں پر بمباری کی جس میں چار شہری شہید اور چار دیگر زخمی ہو گئے۔

26 جون کو صوبہ پکتیکا کے ضلع خیر کوٹ کے گاؤں سہ گانہ میں افغان فورسز کے چھاپے کے دوران ایک شہری (حاجی عبدالباری) اور اس کا 13 سالہ بیٹا شہید ہو گیا۔

26 جون کو صوبہ خوست کے ضلع دوہ مندہ کے گاؤں ایتی میں قریب واقع فوجی اڈے سے مارٹر گولے فائر کیے گئے جس سے 6 بچے شہید اور زخمی ہو گئے۔

26 جون کو صوبہ پروان کے ضلع بگرام کے گاؤں نیازدرہ میں افغان فورسز نے مقامی لوگوں کا گندم جلایا۔

26 جون کو صوبہ کنڑ کے ضلع منور کے گاؤں بچی میں افغان اہل کاروں کے چھاپے کے دوران تین شہری شہید اور ایک زخمی ہو گیا۔

26 جون کو صوبہ بدخشاں کے ضلع خاش خانہ کے گاؤں کزر میں افغان فوج کی فائرنگ سے محلے کے پیش امام (مولوی عبدالوکیل) کا مکان تباہ اور ایک بچہ زخمی ہو گیا۔

26 جون کو افغان فورسز نے میدان وردگ کے دارالحکومت کے علاقے فولاد خانی میں ایک شہری (ظفر خان) کو اپنے گھر سے باہر نکال کر شہید کر دیا اور جندی خیل میں ایک اور شہری (سلطان محمد) کو بھی شہید کر دیا۔

27 جون کو صوبہ بادغیس کے ضلع مرغاب کے گاؤں ترکو میں افغان فوج نے ایک مکان پر بمباری کی جس میں ایک شخص شہید ہوا۔

28 جون کو صوبہ پکتیکا کے ضلع یوسف خیل کے گاؤں مشینیل میں پولیس اہل کاروں کی فائرنگ سے ایک بچہ شہید اور دو زخمی ہو گئے۔

28 جون کو صوبہ بادغیس کے ضلع مرغاب کے جوئی گنج، اکازی اور اسحاق زئی دیہات میں افغان فوج کی بمباری سے چار شہری شہید اور دو دیگر زخمی ہوئے اور ان کے مکانات کو نقصان پہنچا۔

29 جون کو صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین کے پرانا بازار میں مویشی منڈی پر میوند چھاونی سے افغان فورسز کی جانب سے مارٹر گولے فائر کیے گئے جس کے نتیجے میں 27 شہری شہید اور 40 سے زیادہ عام شہری زخمی ہو گئے۔ شہداء اور زخمیوں میں بزرگ، جوان اور بچے سب شامل ہیں، یہ لوگ جانوروں کے لئے مویشی منڈی آئے تھے۔ کابل انتظامیہ نے حملے کی تردید کی لیکن عینی شاہدین نے بتایا کہ یہ گولے قریب واقع فوجی چھاونی سے داغے گئے اور منڈی میں آگرے، حملے کے دو دن بعد اقوام متحدہ نے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ حملہ افغان فوج کی کارستانی تھی۔

29 جون کو صوبہ لوگر کے دارالحکومت کے قریب گمبزی میں افغان فورسز کی فائرنگ سے 5 شہری شہید اور زخمی ہو گئے۔

30 جون کو صوبہ بادغیس کے ضلع مرغاب کے علاقے مرکزی میں افغان فوج کے فضائی حملے میں ایک خاتون اور ایک بچہ زخمی ہوا، ایک مسجد اور مکان کو نقصان پہنچا۔

30 جون کو صوبہ بغلان کے ضلع وسطی بغلان کے چھٹے روڈ کے علاقے میں افغان فوج کی بمباری سے ایک گاؤں کی مسجد کو نقصان پہنچا اور لوگوں کو مالی نقصان پہنچا۔

ذرائع: [بی بی سی ریڈیو، آزادی ریڈیو، افغان اسلامک اور پژواک نیوز ایجنسی، افغان ویب سائٹ، لر او بر، نن ڈاٹ ایشیاء اور بینوا ویب سائٹس]

افغانستان جون 2020 میں

احمد فارسی

نوٹ: یہ تحریر ان واقعات اور نقصانات پر مشتمل ہے جن کا دشمن نے بھی اعتراف کیا ہے۔ مزید اعداد و شمار دیکھنے کے لئے امارت اسلامیہ کی آفیشل ویب سائٹ کا وزٹ کیجئے۔

جیسا کہ پچھلے مہینوں کی رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ کے ساتھ معاہدے کے بعد مجاہدین کے حملوں میں کسی حد تک کمی آئی ہے۔ جون کے دوران مجاہدین نے دفاعی پوزیشن اختیار کی تھی اور جارحانہ حملوں کا سلسلہ روک دیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس دفاعی پوزیشن کے دوران دشمن کے متعدد فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے اور اسی مہینے میں ایک ضلع بھی فتح ہوا۔

افغان فورسز کے نقصانات:

جون میں مجاہدین کے حملوں میں کمی اور دفاعی پوزیشن اختیار کرنے کے باوجود افغان فورسز کی ہلاکتوں کا سلسلہ طویل تھا لیکن درست اعداد و شمار دستیاب نہیں ہوئے۔ دشمن کی ہلاکتوں کی چند مثالیں یہ ہیں:

یکم جون کو صوبہ کاپیسا میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ایک ٹریفک پولیس آفسر اور بدخشان کے ضلع وردوج میں مجاہدین کے حملے میں ایک داعش کمانڈر ہلاک ہوا۔ 3 جون کو صوبہ پکتیا کے ضلع سید کرم کے پولیس چیف جو مجاہدین کے ساتھ جنگ میں مصروف اپنے مسلح اہل کاروں کی مدد کے لئے پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے، راستے میں مجاہدین کے ایک گھات میں مارا گیا۔ اسی روز صوبہ لوگر میں وزارت داخلہ کے ایک افیسر مارا گیا۔ 9 جون کو صوبہ دایکنڈی کے ضلع کجران میں کرائم برانچ کا اک افیسر پراسرار طور پر قتل ہوا۔ اسی روز لوگر میں سابق سینیٹر، صوبہ بلخ کے ضلع شورتیپہ کے گورنر اور ایک کمانڈر مجاہدین کے ساتھ جھڑپوں میں ہلاک ہوئے۔ 20 جون کو ہلمند کے ضلع نہر سراج میں ہونے والی ایک جھڑپ میں دو سرحدی پولیس کمانڈر ہلاک ہوگئے۔ 29 جون کو صوبہ روزگان کے دہراود کے پولیس کمانڈر مارا گیا۔

3 جون کو صوبہ قندوز کے ضلع قلعہ زال کے ضلعی پولیس سربراہ۔ 7 جون کو صوبہ روزگان کے ضلع گیزاب کا گورنر۔ 8 جون کو ہرات اور لغمان صوبوں میں کابل انتظامیہ کے دو سینئر کمانڈر۔ 10 جون کو فوجی کمانڈر۔ 11 جون کو ایوان صدر کے سپیشل کمانڈر۔ 15 جون کو قومی سلامتی کے ایک اعلی افیسر اور صوبہ فاریاب میں ایک ازبکی کمانڈر کورونا وائرس کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔

دشمن کی ہلاکتوں کے علاوہ 17 جون کو صوبہ ہرات کے ضلع فارسی میں ایک فوجی ہیلی کاپٹر گر کر تباہ ہوا۔

نہتے شہریوں پر تشدد:

امن معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد شہری ہلاکتوں میں بھی کسی حد تک کمی واقع ہوئی ہے لیکن پچھلے دو ماہ میں ہلاکتوں میں اضافہ دیکھا گیا ہے، یکم جون کو میڈیا نے یہ خبر شائع کی ہے کہ صوبہ تخار کے ضلع ینگی قلعہ میں افغان فورسز نے رہائشی علاقوں پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں متعدد مکانات تباہ اور متعدد افراد شہید اور زخمی ہوئے۔ اسی روز صوبہ ننگرہار میں نام نہاد پارلیمنٹیرین کے وفد نے صحافیوں کو بتایا کہ گزشتہ ماہ نماز جنازہ میں ہونے والا دھماکہ میں شمالی اتحاد کے بدنام زمانہ رہنما اور موجودہ حکومت کے حامی حضرت علی نے کیا تھا۔

5 جون کو افغان فورسز صوبہ غزنی میں عام شہریوں کے گھروں پر فائرنگ کی جس میں متعدد شہری شہید ہوگئے۔ 8 جون کو صوبہ پروان کے ضلع شینواری میں خفیہ ادارے کے اہل کاروں نے چار شہریوں کو شہید کر دیا۔ 13 جون کو صوبہ لوگر میں افغان فورسز نے ایک خاندان کے چار خواتین کو شہید کر دیا۔ 15 جون کو افغان فورسز نے صوبہ ہلمند کے ضلع گرشک میں 2 سو دکانوں کو تباہ کر دیا۔ 25 جون کو صوبہ بلخ میں دشمن کے فضائی حملے میں ایک خاندان کے نو افراد شہید ہوئے۔ اسی طرح صوبہ کاپیسا کے ضلع تگاب میں دو بچے شہید ہوگئے۔

29 جون کو سفاک دشمن نے صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین میں مویشی منڈی پر حملہ کیا جس میں بچوں سمیت درجنوں افراد شہید اور زخمی ہوئے۔

اس کی تفصیلات امارت اسلامیہ کی آفیشل ویب سائٹ کی خصوصی رپورٹ میں مل سکتی ہیں۔

ہتھیار ڈالنے کا سلسلہ:

امن معاہدے پر دستخط اور فتح کے آثار ظاہر ہونے کے بعد دشمن کے مسلح اہل کاروں کی مجاہدین کی صف میں شمولیت کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوا جو جون میں بھی پورے آب و تاب سے جاری رہا۔ اس ماہ کے دوران دشمن کے 900 اہل کاروں نے مجاہدین کے سامنے ہتھیار ڈال دیا۔

اسی سلسلے میں 2 جون کو صوبہ تخار کے ضلع نمک آب میں 2 کمانڈروں سمیت 14 فوجیوں نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کیا۔ پھر اگلے روز صوبہ بلخ کے 5 مختلف اضلاع میں دشمن کے 40 فوجیوں نے کابل انتظامیہ کی صف چھوڑ کر مجاہدین میں شمولیت اختیار کی۔ 4 جون

کو ننگرہار میں ایک پولیس اہلکار نے ایک رینجر گاڑی سمیت سرنڈر ہوا۔ 6 جون کو دشمن کے درجنوں فوجیوں اور پولیس اہل کاروں نے صوبہ بغلان میں ہتھیار ڈالنے کا اعلان کیا۔

11 جون کو صوبہ بغلان کے ضلع پل خمری میں درجنوں پولیس اہل کار مجاہدین میں شامل ہوئے۔ 13 جون کو صوبہ لوگر میں بھی درجنوں اہل کاروں نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کیا۔ 18 جون کو پکتیا میں 17 اور بغلان میں 49 فوجی سرنڈر ہوئے۔ اگلے روز بلخ کے سات اضلاع میں 54 فوجی مجاہدین میں شامل ہوئے۔ 24 جون کو صوبہ زابل کی صوبائی کونسل کا ایک ممبر مجاہدین میں شامل ہوا، اسی دن صوبہ سمنگان میں دس اہل کار مجاہدین میں شامل ہوگئے۔ 28 جون کو صوبہ میدان وردگ میں ایک چوکی کے فوجیوں نے مجاہدین کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

امارت اسلامیہ کے مجاہدین میں شامل ہونے والوں کی صحیح تعداد امارت اسلامیہ کے بھرتی کمیشن کی خصوصی رپورٹوں میں پڑھی جاسکتی ہے۔

قیدیوں کا تبادلہ:

امن معاہدے کے مطابق پانچ ہزار مجاہدین اور افغان فورسز کے ایک ہزار قیدیوں کو اب تک رہا کردیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن کابل انتظامیہ نے مختلف بہانوں سے اس عمل کو روکا تاہم جون میں ایک بار پھر قیدیوں کی رہائی کا سلسلہ شروع ہوا اور فریقین نے سینکڑوں قیدیوں کو تبادلہ کیا۔ لیکن فہرست کے مطابق پانچ ہزار قیدیوں میں سے اب تک سینکڑوں مجاہدین دشمن کی جیلوں میں قید ہیں۔

الفتح آپریشن:

28 جون کو امارت اسلامیہ نے ایک بیان جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجاہدین نے دفاعی پوزیشن اختیار کی ہے اور صرف دشمن کے حملوں کے خلاف جوابی کارروائی کرتے ہیں۔ اس صورتحال کے باوجود مجاہدین نے جون میں اہم کامیابیاں حاصل کیں جن میں سے کچھ کی تفصیل درج ذیل سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

5 جون کو صوبہ زابل میں مجاہدین اور کابل انتظامیہ کے کرائے کے فوجیوں کے مابین شدید جھڑپ ہوئی، جس کے نتیجے میں دشمن کے 15 فوجی ہلاک ہوگئے۔ 9 جون کو صوبہ بلخ کے ضلع شورتیپہ میں ایک جھڑپ ہوئی، جس میں مذکورہ ضلع کے گورنر اور ایک کمانڈر ہلاک ہوئے۔ 15 جون کو کاپیسا کے ضلع تگاب میں دشمن کے دس کمانڈوز مجاہدین کے ساتھ جھڑپ میں ہلاک ہوگئے۔

21 جون کو صوبہ زابل کے ضلع اتغر پر مجاہدین نے سفید پرچم لہرادیا۔ 24 جون کو صوبہ بادغیس کے ضلع بالامرغاب میں دس کمانڈوز مجاہدین کی کارروائی کے دوران مارے گئے۔

قابض افواج کا انخلا:

19 جون کو میڈیا نے خبر شائع کی کہ امن معاہدے کی شرائط کے تحت اب تک 3400 امریکی فوجی افغانستان سے واپس جاچکے ہیں۔ 27 جون کو سی این این نیوز نے خبر شائع کی کہ پینٹاگون نے مزید چار ہزار فوجی دستوں کے انخلا کا منصوبہ مکمل کرلیا ہے اور جلد ہی ان کے انخلا کا عمل شروع ہوگا۔

دینی علماء کی ٹارگٹ کلنگ:

کابل انتظامیہ نے ہر شعبے میں شکست کے بعد اب ان لوگوں کو ٹارگٹ کرنے کا سلسلہ شروع کردیا ہے جو کل تک اس کے حامی تھے۔ لیکن انہوں نے اب قیام امن کے لئے کردار ادا کرنا شروع کیا ہے اس لئے انہیں نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں 2 جون کو وزیر اکبر خان مسجد کے خطیب مولوی محمد ایاز نیازی کو مسجد کے اندر شہید کردیا گیا۔ امارت اسلامیہ نے علماء کے قتل میں کسی بھی طرح کے ملوث ہونے کی تردید کی ہے۔ اور واضح کیا کہ ایسے حملوں میں قومی سلامتی کے کارندے ملوث ہیں۔ 12 جون کو ایک بار پھر شیر شاہ سوری مسجد کا خطیب مارا گیا۔ مقامی لوگوں نے میڈیا کو بتایا کہ سیکیورٹی فورسز کی تلاشی کے بعد اس مسجد کو دوپہر گیارہ بجے تک بند کردیا گیا تھا۔ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ دھماکے میں استعمال ہونے والا بم نہایت مہارت کے ساتھ منبر کے نیچے رکھا گیا تھا۔ اگلے روز ایک اور دینی عالم کو صوبہ تخار میں شہید کردیا گیا۔ 15 جون کو صوبہ فراہ میں افغان فورسز نے ایک اور جید عالم دین کو چند حفاظ کرام سمیت شہید کردیا۔

امارت اسلامیہ کے مجاہدین نے داعش کے کارندوں کے ایک گروہ کو گرفتار کیا ہے جس نے اعتراف کیا کہ علماء اور دیگر امن پسند شخصیات کو مارنے کے لئے کابل میں این ڈی ایس کے سابق سربراہ کی جانب سے گاڑیاں، اسلحہ اور دیگر سامان فراہم کیا جاتا تھا۔ وہ ایسے افراد کو نشانہ بناتا تھا جو جنگ اور جنگی پالیسی کے مخالف تھے۔

جمہوری لٹیروں کا کفن:

کابل میں کٹھ پتلی انتظامیہ کے قیام کے بعد چوری اور بدعنوانی شروع ہوگئی، سرکاری املاک، سرکاری محصولات اور آخر کار لوگوں کی نجی املاک کو لوٹ لیا گیا، کروڑوں ڈالر مختلف طریقوں سے چوری ہوگئے، حال ہی میں کچھ ممالک نے کورونا وائرس سے مقابلے کے لئے کابل انتظامیہ کو مالی امداد اور ضروری سامان عطیہ کیا۔ ان بے رحم لٹیروں نے مریضوں پر بھی ترس نہیں کیا، نہ صرف نقد رقم میں بدترین کرپشن کی بلکہ امداد میں ملنے والا سامان بھی نیلام کردیا۔ ان میں سے کچھ آلات دوسرے ممالک کو بھی اسمگل کیے گئے۔ اس چوری اور بدعنوانی کے نتیجے میں اب سرکاری اسپتالوں میں کورونا مریض آکسیجن کی کمی کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ جنوری میں سرکاری اسپتالوں میں سیکڑوں افراد جان کی بازی ہار گئے۔

فوج اور پولیس میں کم عمر لڑکے:

28 جون کو اقوام متحدہ کے حوالے سے میڈیا نے خبر شائع کی کہ افغان فورسز میں کم عمر بچوں کا جنسی استحصال کیا جارہا ہے۔ وزارت داخلہ نے اس خبر کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ اس صورتحال پر قابو پانے کے لئے سنجیدہ کوششیں جاری ہیں۔

جون 2020ء میں ہونے والی کارروائیوں کا جدول

نمبر شمار	صوبہ	کارروائیوں کی تعداد	فدائی حملے	دشمن کے نقصانات					مجاہدین کے نقصانات		
				ملیشیوں کی اموات	ملیشیوں کے زخمی	ایجنٹوں کی ہلاکتیں	ایجنٹوں کے زخمی	فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کی تباہی	مجاہدین کے شہداء	مجاہدین کے زخمی	گاڑیوں کی تباہی
۱	قندھار	125				234	62	34	11	14	
۲	ہلمند	213				185	315	53	19	24	2
۳	زابل	104				231	58	28	10	4	
۴	اروزگان	45				84	44	18	1	4	
۵	ہرات	48				61	35	9	3	4	
۶	فراہ	32				19	12	6	2		
۷	بادغیس	29				37	37	5	2	5	
۸	نیمروز	23				31	18	5	2	1	
۹	غور	27				37	46	3	10	5	
۱۰	فاریاب	17				21	20	3	2	2	
۱۱	کونڑ	13				7	4				
۱۲	نورستان	4				5	4				
۱۳	غزنی	106				156	113	49			
۱۴	خوست	20				25	14	1			
۱۵	میدان وردگ	100				102	43	39			
۱۶	لوگر	89				210	115	38			
۱۷	کاپیسا	21				58	37	9			
۱۸	پکتیا	98				171	109	28			
۱۹	پکتیکا	23				45	26	11			
۲۰	ننگرہار	30				46	34	9			
۲۱	لغمان	16				20	7	3			
۲۲	کابل	63				57	62	25			
۲۳	پروان	12				7	18	6			
۲۴	کندز	19				70	34	12			
۲۵	بغلان	13				34	30	5			
۲۶	تخار	14				54	27	5			
۲۷	سمنگان	3				4	3				
۲۸	بدخشان	11				19	26	2			
۲۹	جوزجان	10				46	25	6			
۳۰	بلخ	37				87	41	16			
۳۱	بامیان										
۳۲	سرپل	4				4	7	1		3	
۳۳	دایکندی	8				17	8				
۳۴	پنجشیر	1				1	2				
مجموعہ		1378				2185	1436	429	62	66	2

فرمان امیر المؤمنین

شیخ الحدیث ہبۃ اللہ اخند زادہ حفظہ اللہ

امریکی فریق سے جارحیت کے خاتمہ پر معاہدے کے نتیجے میں ہماری ملت جارحیت سے نجات حاصل کریگی. یہ اہم ترین کامیابی اللہ تعالی کا خصوصی احسان، نصرت اور عظیم انعام ہے، ہم نے اس کامیابی کو کسی کا کمال سمجھنا نہیں چاہیے، بلکہ اسے اللہ تعالی کا انعام اور تمام مجاہد ملت کی قربانیوں کا محصول سمجھنا ہے۔

افغان مسلمان ملت اور خاص کر مجاہدین حاصل کردہ کامیابیوں کے متعلق اللہ تعالی کا شکر ادا کریں، اپنے آپ کو تقوی، دیانتداری اور ایمانداری کے لیے مزید پابند سمجھے. تکبر، غرور، اپنے آپ کو اعلی اور دوسروں پر فوقیت دینے سختی سے گریز کریں،، کیونکہ یہ جہاد اور فتح کے جذبے سے متصادم ہے۔

SHARIAT

Monthly Islamic Magazine